ماہنامہ

محدث

بنارس

ستمبر واکتوبر ۲۰۲۴ء ◆ ربیع الاول والآخر ۱۴۴۶ھ

اللہ کے وجود اور اسلام کی حقانیت کی سب سے بڑی دلیل ... ۲

اسلام احترام انسانیت کا حقیقی علمبردار ہے ۷

عقائد کے باب میں منہج سلف کی وسطیت ۱۴

بھارت میں بے روزگاری کے چند اسباب ووجوہات ۲۳

علامہ محمد رئیس ندوی رحمہ اللہ کی افتانویسی: منہج اور طریقہ کار ۴۶

دارالتالیف والترجمہ، بنارس، الہند

دینی، علمی، اصلاحی اور تحقیقی ماہنامہ

مجلہ محدث بنارس

جلد: ۴۱
شمارہ: ۹-۱۰

ربیع الاول والآخر
۱۴۴۶ھ
ستمبر واکتوبر
۲۰۲۴ء

سرپرست
عبداللہ سعود سلفی

مدیر
محمد ایوب سلفی

معاون مدیر
اسرار احمد ندوی

مجلس مشاورت
مولانا محمد مستقیم سلفی
مولانا محمد ابوالقاسم فاروقی
مولانا صلاح الدین مقبول مدنی
مولانا محمد یونس مدنی
ڈاکٹر عبدالصبور ابوبکر مدنی

اس شمارہ میں

۱-اللہ کے وجود اور اسلام کی حقانیت...	عبداللہ سعود سلفی	۲
۲-شوہر کے مال سے بیوی بقدر ضرورت...	ڈاکٹر عبدالحلیم بسم اللہ	۴
۳-اسلام احترام انسانیت کا حقیقی علمبردار ہے	مدیر	۷
۴-عقائد کے باب میں منہج سلف...	مامون رشید سلفی	۱۴
۵-بھارت میں بے روزگاری...	ذیشان الٰہی منیر تیمی	۲۳
۵-حدیث المُوتان	عبدالعلیم سلفی	۲۸
۶-شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ...	محمد محبّ اللہ محمدی	۳۸
۷-علامہ محمد رئیس ندوی رحمہ اللہ...	ڈاکٹر عبدالصبور ابوبکر	۴۶
۸-اخبار جامعہ	ڈاکٹر عبدالصبور ابوبکر	۵۶
۱۰-باب الفتاویٰ	مولانا نورالہدیٰ سلفی	۶۱

بدل اشتراک سالانہ

ہندوستان:	300	روپئے
خصوصی تعاون:	1000	روپئے
بیرون ممالک:	50	ڈالر امریکی
فی شمارہ:	30	روپئے

ترسیل کا پتہ

اشتراک کے لیے ڈرافٹ مندرجہ ذیل نام سے بنوائیں

Name: **DAR-UT-TALEEF WAT-TARJAMA**
Bank: **INDIAN BANK,** KAMACHHA, VARANASI
A/cNo.2**1044906358**
IFSC Code: IDIB000V509

Darut Taleef Wat Tarjama, B.18/1-G, Reori Talab, Varanasi - 221010

www.mohaddis.org

نوٹ: ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

درس قرآن

اللہ کے وجود اور اسلام کی حقانیت کی سب سے بڑی دلیل قرآن مجید ہے

عبداللہ سعود سلفی

وَقَالُواْ يَا أَيُّهَا الَّذِیْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ إِنَّكَ لَمَجْنُونٌ. لَّوْ مَا تَأْتِيْنَا بِالْمَلاَئِكَةِ إِن كُنتَ مِنَ الصَّادِقِيْنَ. مَا نُنَزِّلُ الْمَلاَئِكَةَ إِلاَّ بِالحَقِّ وَمَا كَانُواْ إِذاً مُّنظَرِيْنَ. إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ. وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ فِيْ شِيَعِ الأَوَّلِيْنَ. وَمَا يَأْتِيْهِم مِّن رَّسُولٍ إِلاَّ كَانُواْ بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ. كَذَلِكَ نَسْلُكُهُ فِيْ قُلُوبِ الْمُجْرِمِيْنَ. لاَ يُؤْمِنُونَ بِهِ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الأَوَّلِيْنَ. (سورہ حجر:۶-۱۳)

ان لوگوں کا کہنا ہے کہ اے وہ شخص جس پر قرآن نازل ہوا ہے تو یقیناً مجنون ہے۔اگر تو سچا ہے تو ہمارے سامنے فرشتوں کو کیوں نہیں لاتا۔ہم فرشتوں کو یونہی نہیں اتارا کرتے، وہ جب اترتے ہیں تو حق کے ساتھ اترتے ہیں اور پھر لوگوں کو مہلت نہیں دی جاتی۔(رہا یہ قرآن) تو یقیناً اس کو ہم نے ہی نازل کیا ہے اور یقیناً ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔اور (اے محمد ﷺ) ہم نے تم سے پہلے بھی پچھلی قوموں کے گروہوں میں رسول بھیج چکے ہیں، جس کسی کے پاس کوئی رسول آیا تو اس کا مذاق اڑایا گیا، جرم کرنے والوں کے دلوں میں اسی طرح مزاق کی باتیں آتی رہی ہیں، وہ اس پر ایمان نہیں لاتے اور ان سے پہلے والوں کا طریقہ بھی ایسا ہی رہ چکا ہے۔

اس آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کے بارے میں اس کی حقیقت کو اور اس پر ایمان نہ لانے والوں کے رویہ کو اور ساتھ ہی ساتھ پچھلی قوموں کے مختلف گروہوں کی پچھلی سرکشی کو بھی بیان فرمایا اور یہ بات تاکیداً فرمائی کہ اس قرآن مجید کے اتارنے والے ہم ہی ہیں اور اس کی حفاظت بھی ہم ہی کریں گے۔

یہ قرآن مجید اللہ کا کلام ہے۔فصیح عربی زبان میں ہے۔سب سے بلیغ اور سب سے سچی کتاب ہے۔لَا يَأْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ تَنزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ (فصلت:۴۲) جس کے پاس باطل (غلط بات) پھٹک بھی نہیں سکتا، نہ اس کے آگے سے نہ پیچھے سے۔یہ حکمت والے، خوبیوں والے (اللہ) کی طرف سے نازل کی ہوئی کتاب ہے۔

یہ کتاب شروع سے آج تک بلکہ جب تک اللہ وحدہ لاشریک چاہے، اپنی اصلی حالت میں باقی رہے گی۔آج کے سائنسی ترقی یافتہ دور میں بھی اس کا ایک بھی بیان غلط ثابت نہ ہو سکا۔

یہ دنیا کا سب سے بڑا معجزہ ہے۔یہ اس ذات گرامی پر نازل کی گئی ہے جس نے اپنے قلم سے کبھی ایک حرف بھی نہ لکھا تھا اور بے بسی میں پلے تھے۔پیدائش سے پہلے والد سے محروم ہو گئے، پیدائش کے بعد تین سال تک اپنی ماں سے دور دیہات

کے ماحول میں پلے۔ چھ سال کی عمر میں اپنی والدہ سے بھی محروم ہو گئے۔ایسی بے بسی کی زندگی میں پروان چڑھے اور مکہ والے خوب جانتے تھے کہ محمد (ﷺ) اپنے ہاتھ سے کچھ لکھنا نہیں جانتے ہیں۔اگر ایسا ہوتا تو شک کی گنجائش تھی۔جیسا کہ اللہ نے اپنے کلام سے واضح فرمادیا ہے۔وَمَا كُنتَ تَتْلُو مِن قَبْلِهِ مِن كِتَابٍ وَلَا تَخُطُّهُ بِيَمِينِكَ إِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُونَ (العنکبوت:۴۸)اس (قرآن) سے پہلے تو آپ کوئی کتاب پڑھتے نہ تھے اور نہ کسی کتاب کو اپنے ہاتھ سے لکھا کرتے تھے،اگر ایسا ہوتا تو باطل پرست لوگ شک میں پڑ سکتے تھے۔

قرآن کریم کا ہر بیان سورج کی طرح روشن اور اللہ کے وجود کی سب سے بڑی دلیل ہے اور یہ اس بات کا بھی بین اور واضح ثبوت ہے کہ جس ذات گرامی پر یہ قرآن مجید نازل ہوا وہ سب سے برگزیدہ نبی ہے اور جب تک یہ دنیا باقی ہے قرآن محفوظ ہے اور تب تک آپ کی لائی ہوئی کتاب اور آپ کی لائی ہوئی شریعت اور آپ کا لایا ہوا دین اسلام باقی رہے گا اور آپ تمام انبیاء ورسل کے خاتم اور آخری نبی ہیں۔

پوری دنیا شاہد ہے کہ انسان کی بولی کچھ بھی ہو مگر یہ قرآن عربی میں ہر زبان بولنے والے کے سینہ میں محفوظ ہے اور اپنی زبان سے اصل عربی زبان میں پڑھ رہا ہے۔

اللہ کے رسول محمد ﷺ کے دنیا سے جانے کے بعد یہ قرآن ایک جگہ پہلے خلیفہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تحریری شکل میں جمع کرایا۔پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں اس کے چند نسخے بنوائے اور اس کو کئی جگہ بھجوایا کہ مرجع بنے،کیوں کہ مختلف زبان بولنے والوں تک اسلام پھیل چکا تھا اور ان کی تحریریں الگ الگ تھیں اور لکھنے پڑھنے کا رواج ہو چکا تھا،لیکن غور کریں اور سوچیں،عقل لگائیں یہ کل کتنے نسخے بنے تھے۔ہر صحابی قرآن مجید زبانی پڑھتا تھا۔چاہے جس علاقہ میں ہو،شہر میں ہو،دیہات میں ہو،مکہ ومدینہ میں ہو یا شام ومصر میں ہو،کس نے پھیلایا؟ کیا تحفیظ القرآن کے مدارس تھے؟ کیا ہر گھر میں چھپا ہوا قرآن تھا؟ یہی ہے قرآن کی اس آیت کی صداقت إنا نحن نزلنا الذكر وإنا له لحافظون. اس کا کہنے والا خالق کائنات اور انس وجن کا رب ہے۔کیا دنیا کے کسی کے پاس اس سوال کا جواب ہے۔

وَهَـٰذَا ذِكْرٌ مُّبَارَكٌ أَنزَلْنَاهُ أَفَأَنتُمْ لَهُ مُنكِرُونَ (سورہ انبیاء:۵۰)اور یہ بابرکت ذکر (قرآن) ہم نے نازل کیا ہے تو پھر کیا تم اس حقیقت کے منکر ہو سکتے ہو۔

☆☆☆

درس حدیث

شوہر کے مال سے بیوی بقدرِ ضرورت مال لے سکتی ہے

ڈاکٹر عبدالحلیم بسم اللہ

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ دَخَلَتْ هِنْدُ بِنْتُ عُتْبَةَ امْرَأَةُ أَبِي سُفْيَانَ عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّ أَبَا سُفْيَانَ رَجُلٌ شَحِيحٌ، لَا يُعْطِينِي مِنَ النَّفَقَةِ مَا يَكْفِينِي وَيَكْفِي بَنِيَّ إِلَّا مَا أَخَذْتُ مِنْ مَالِهِ بِغَيْرِ عِلْمِهِ، فَهَلْ عَلَيَّ فِي ذَلِكَ مِنْ جُنَاحٍ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُذِي مِنْ مَالِهِ بِالْمَعْرُوفِ مَا يَكْفِيكِ وَيَكْفِي بَنِيكِ. (متفق علیہ صحیح البخاری: 5364 وصحیح مسلم 4497)

ترجمہ: عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی بیوی ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو عرض کیں اے اللہ کے رسول! (میرے شوہر) ابوسفیان بخیل آدمی ہیں، وہ مجھے اتنا خرچ نہیں دیتے ہیں جو میرے اور میرے بچوں کو کافی ہو، سوائے اس کے جو میں ان کے مال میں سے ان کی لاعلمی میں لے لوں، تو کیا ایسا کرنے میں مجھ پر کوئی گناہ ہے؟ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: 'معروف طریقے سے ان کے مال میں سے (بس) اتنا لے لیا کرو جو تمہارے اور تمہارے بچوں کے لیے کافی ہو۔

راوی حدیث:

عائشہ ام المومنین صدیقہ بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہا ہیں، ان کی کنیت ام عبداللہ ہے اور ان کی ماں کا نام ام رومان بنت عامر بن عویمر ہے، عورتوں میں سب سے بڑی فقیہہ ہیں، امہات المومنین میں سب سے افضل ہیں سوائے خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے، ان دونوں کے بارے میں اہل علم کے مابین اختلاف ہے، چنانچہ علماء نے لکھا ہے کہ دینی علوم اور سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نشر واشاعت کے اعتبار سے عائشہ افضل ہیں اور دین اسلام کی مدد اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید کے اعتبار سے خدیجہ رضی اللہ عنہا افضل ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے مکہ میں ہجرت سے چند سال پہلے نکاح کیا اور شوال سنہ 2 ہجری میں مدینہ میں رخصتی ہوئی اس وقت آپ کی عمر نو سال تھی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں نو سال تک رہیں، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو آپ کی عمر 18 سال تھی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے علاوہ کسی بھی دوسری کنواری عورت سے شادی نہیں کی، آپ عالمہ فاضلہ دینی وفقہی مسائل اور عربوں کے واقعات واشعار کی عالمہ تھیں، صحابہ اور تابعین کی ایک بڑی جماعت نے آپ سے حدیث روایت کی ہے، آپ کی وفات مدینہ میں سنہ 57 ہجری ماہ رمضان میں ہوئی، مقبرۃ البقیع میں آپ کو دفن کیا گیا، ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی، اس وقت

معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا زمانہ تھا اور مدینہ کے گورنر مروان بن حکم تھے، آپ سے کل 2210 حدیثیں مروی ہیں۔(مرعاۃ المفاتیح 1/167)) مزید تفصیل کے لیے دیکھیں: الاستیعاب فی معرفۃ الأصحاب لابن عبدالبر 4/1881))، الإصابۃ فی تمییز الصحابۃ 33-14/27) رقم 11593)

شرح حدیث:

ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا مشہور خلیفہ اور کاتبِ وحی معاویہ بن ابی سفاان کی والدہ محترمہ ہیں، ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ کی بیوی اور عتبہ بن ربیعہ کی بیٹی ہیں جو کہ مکہ کے سرداروں میں سے تھا، جاہلیت ہی میں ہند بنت عتبہ اور ابوسفیان بن حرب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نکاح ہو چکا تھا، دونوں نے فتح مکہ کے وقت اسلام قبول کیا اور مرتے دم تک اسلام پر دل وجان سے قائم رہے، ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی بیوی ہند رضی اللہ عنہا کو جتنا خرچ دیتے تھے وہ ان کے اور ان کے بچوں کی ضروریات کی تکمیل کے لیے کافی نہیں ہوتا تھا، لہٰذا وہ چپکے سے بلا اجازت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے رکھے ہوئے مال میں سے کچھ مال نکال لیا کرتی تھیں تاکہ اپنا اور اپنے بچوں کی ضروریات کو پوری کرسکیں، اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لا چکی تھیں، آخرت کے دن کے بارے میں جان چکی تھیں کہ وہاں ہر چھوٹے بڑے عمل کا حساب وکتاب ہوگا، لہٰذا اپنے اس عمل کے بارے میں استفسار کرنے کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بذاتِ خود گئیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ ان کے شوہر ابو سفیان رضی اللہ عنہ انہیں نان ونفقہ دینے میں فراخ دلی کا مظاہرہ نہیں کرتے ہیں بلکہ بخل سے کام لیتے ہیں جس کی وجہ سے وہ اپنے شوہر ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے مال میں سے ان کی اجازت کے بغیر کچھ مال لے لیتی ہیں اور اس طرح اپنا اور اپنے بچوں کا خرچ پورا کرتی ہیں، اس وقت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے مال کے علاوہ ان کے پاس کوئی اور مال نہیں تھا، تو کیا ایسا کرنے میں ان کے اوپر کوئی گناہ ہوگا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا کی بات کو بغور سنا اور فرمایا کہ نہیں، ایسا کرنے میں تمہارے اوپر کوئی گناہ نہیں ہے، تمہارے لیے اپنے شوہر کے مال میں سے اتنا مال لینا جائز ہے جو تمہارے اور تمہارے بچوں کے لیے عرفِ عام کے اعتبار سے کافی ہو، یعنی عرفِ عام میں جتنا مال تم جیسے لوگوں کے خرچ کے لیے کافی ہوتا ہے اتنا مال لے سکتی ہو اس سے زیادہ نہیں لے سکتی ہو جس میں کہ تمہاری اور تمہارے بچوں کی حاجت اور ضرورت آرام سے پوری ہو جائے اس سے زیادہ لینا اور بطورِ اسراف خرچ کرنا جائز نہیں ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس معاملے کی تصدیق کے لیے نہیں بلوایا بلکہ ہند بنت عتبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بات کو سن کر ایک مفتی کی حیثیت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتویٰ دے دیا کیونکہ بیوی کا خرچ اس کے شوہر کے اوپر واجب ہے، اسی طرح سے بچوں کا خرچ اس کے باپ کے اوپر واجب ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وعلى المولود له رزقهن وكسوتهن (البقرۃ: 233) باپ کے اوپر دودھ پلانے والی ماؤں کا کھانا اور کپڑا عرفِ عام کے مطابق واجب ہے۔

دین اسلام نے حقوق اللہ کے ساتھ ساتھ حقوق العباد کی ادائیگی کی ترغیب دی ہے اور حقوق العباد میں عورتوں اور بچوں کے حقوق کا خصوصی خیال رکھا ہے، ان کے کھانے پینے، رہنے سہنے، تعلیم و تربیت، صحت و عافیت پر کافی دھیان دیا ہے، اسی لیے ایک بیوی کے لیے جائز قرار دیا ہے کہ وہ اپنے شوہر کے مال میں سے چپکے سے شوہر کی اجازت کے بغیر اتنا مال لے سکتی ہے جو اس کے اور اس کے بچوں کی ضرورت کے لیے کافی ہو اگر شوہر بخیلی اور کنجوسی کرتا ہے اور ضرورت کے مطابق خرچ نہیں دیتا ہے تا کہ غذا کی کمی کی وجہ سے بیوی بچوں کی صحت و تندرستی متاثر نہ ہو، دوا، علاج، لباس اور دیگر بنیادی ضرورتوں کے پورا نہ ہونے کی وجہ سے انہیں ذہنی تکلیف نہ ہو، یہ دین اسلام کی نمایاں خوبیوں میں سے ایک بڑی خوبی ہے کہ اسلام نے بال بچوں کے خرچ کو بیوی کے اوپر نہیں بلکہ باپ اور شوہر کے اوپر واجب قرار دیا ہے تا کہ بیوی اور ماں اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت گھر میں رہتے ہوئے خوب اچھی طرح سے کر سکے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ الہ العالمین ہمیں اپنے بال بچوں کی نگہداشت کرنے اور محاسن اسلام کو اپنانے اور اسے دوسروں تک پہنچانے کی توفیق عنایت فرما، آمین۔

<u>حدیث سے مستنبط مسائل:</u>

- بیوی کا نفقہ اس کے شوہر کے اوپر اور بچوں کا نفقہ ان کے باپ کے اوپر واجب ہے۔
- ہر آدمی پر نفقہ اس کی مالی حیثیت کے مطابق واجب ہے۔
- ایک بیوی اپنے شوہر کے مال سے بقدر ضرورت اتنا مال لے سکتی ہے جتنے میں اس کی ضرورت پوری ہو جائے، اگر شوہر ضرورت بھر خرچ نہ دے۔
- فتوی پوچھنے کے لیے ضمنی طور پر کسی کے عیب کو بیان کرنا جائز ہے، غیبت کی عمومی حرمت سے علماء نے اسے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔

☆☆☆

اسلام احترام انسانیت کا حقیقی علمبردار ہے

مدیر

بلا شبہ احترام انسانیت کا حقیقی علمبردار اسلام ہی ہے۔قرآن مقدس کے اندر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِىٓ آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِى الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَىٰ كَثِيرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلاً (الاسراء:۷۰) یقیناً ہم نے اولاد آدم کو بڑی عزت دی اور انھیں خشکی اور تری میں سواریاں دیں اور انھیں پاکیزہ چیزوں کی روزیاں دیں اور اپنی بہت سی مخلوق پر انھیں فضیلت عطا فرمائی۔

یہ آیت کریمہ انسان کی دیگر مخلوقات پر فضیلت و برتری کی واضح دلیل ہے، نیز اس آیت کریمہ سے یہ بات بھی واضح ہو رہی ہے کہ انسان ایک مکرم و باعزت مخلوق ہے۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے حافظ صلاح الدین یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:''یہ شرف اور فضل بہ حیثیت انسان کے ہر انسان کو حاصل ہے چاہے مومن ہو یا کافر کیونکہ یہ شرف دوسری مخلوقات، حیوانات، جمادات ونباتات وغیرہ کے مقابلے میں ہے اور یہ شرف متعدد اعتبار سے ہے۔جس طرح کی شکل وصورت، قد وقامت اور ہیئت اللہ تعالیٰ نے انسان کو عطا کی ہے وہ کسی دوسری مخلوق کو حاصل نہیں، جو عقل انسان کو دی گئی ہے جس کے ذریعہ سے اس نے اپنے آرام وراحت کے لئے بے شمار چیزیں ایجاد کیں حیوانات وغیرہ اس سے محروم ہیں، علاوہ ازیں اسی عقل سے وہ غلط وصحیح، مفید ومضر اور حسین وقبیح کے درمیان تمیز کرنے پر قادر ہے۔اسی عقل کے ذریعہ سے وہ اللہ کی دیگر مخلوقات سے فائدہ اٹھاتا ہے اور انھیں اپنے تابع رکھتا ہے، اسی عقل وشعور سے وہ ایسی عمارتیں تعمیر کرتا ہے، ایسے لباس ایجاد کرتا ہے اور ایسی چیزیں تیار کرتا ہے جو اسے گرمی کی حرارت سے اور سردی کی برودت سے اور موسم کی دیگر شدتوں سے محفوظ رکھتی ہیں، علاوہ ازیں کائنات کی تمام چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے انسان کی خدمت پر لگا رکھا ہے۔چاند، سورج، ہوا پانی اور دیگر بے شمار چیزیں ہیں جن سے انسان فیضیاب ہو رہا ہے''۔(احسن البیان، ص:۷۸۶)

اللہ تعالیٰ نے انسان کو بحیثیت انسان دیگر مخلوقات پر جو فضیلت و برتری عطا کی ہے اس میں تکریم واحترام انسانیت کا پہلو غالب ہے۔قرآن کریم کے اندر اللہ تعالیٰ نے شرف انسانیت کو بہت ہی واضح انداز میں بیان فرمایا ہے۔تخلیق آدم کے وقت اللہ تعالیٰ نے فرشتوں پر حضرت آدم علیہ السلام کی فضیلت و برتری کا اشارہ فرماتے ہوئے فرشتوں کو حضرت آدم علیہ السلام کا سجدہ کرنے کا حکم دے دیا۔ ارشاد ربانی ہے:وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّى جَاعِلٌ فِى الْأَرْضِ خَلِيفَةً قَالُوٓا

أَتَجْعَلُ فِيهَا مَن يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاء وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ قَالَ إِنِّيْ أَعْلَمُ مَا لاَ تَعْلَمُونَ. وَعَلَّمَ آدَمَ الأَسْمَاء كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلاَئِكَةِ فَقَالَ أَنبِئُونِيْ بِأَسْمَاء هَؤُلاء إِن كُنتُمْ صَادِقِيْنَ. قَالُواْ سُبْحَانَكَ لاَ عِلْمَ لَنَا إِلاَّ مَا عَلَّمْتَنَا إِنَّكَ أَنتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ. قَالَ يَا آدَمُ أَنبِئْهُم بِأَسْمَآئِهِمْ فَلَمَّا أَنبَأَهُمْ بِأَسْمَآئِهِمْ قَالَ أَلَمْ أَقُل لَّكُمْ إِنِّيْ أَعْلَمُ غَيْبَ السَّمَاوَاتِ وَالأَرْضِ وَأَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا كُنتُمْ تَكْتُمُونَ. وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلاَئِكَةِ اسْجُدُواْ لآدَمَ فَسَجَدُواْ إِلاَّ إِبْلِيْسَ أَبَى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِيْنَ (البقرہ:۳۰-۳۴)اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں تو انھوں نے کہا ایسے شخص کو کیوں پیدا کرتا ہے جو زمین میں فتنہ کرے اور خون بہائے اور ہم تیری تسبیح، حمد اور پاکیزگی بیان کرنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جو میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو تمام نام سکھا کر ان چیزوں کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور فرمایا اگر تم سچے ہو تو ان تمام چیزوں کے نام بتاؤ۔ ان سب نے کہا اے اللہ تیری ذات پاک ہے، ہمیں تو صرف اتنا ہی علم ہے جتنا تو نے ہمیں سکھایا ہے، پورے علم وحکمت والا تو ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے فرمایا: تم ان کے نام بتادو، جب انھوں نے بتادیئے تو فرمایا کہ کیا میں نے تمھیں پہلے ہی نہ کہا تھا کہ زمین وآسمان کا غیب میں ہی جانتا ہوں اور میرے علم میں ہے جو تم ظاہر کررہے ہو اور جو تم چھپاتے ہو۔ اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا، اس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور وہ کافروں میں سے ہوگیا۔

ان آیات کریمہ سے یہ بات واضح ہورہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں پر علمی فوقیت اور برتری عطا فرمائی اور آدم علیہ السلام کی دوسری تکریم یہ بھی ہے کہ اللہ نے انھیں مسجود ملائکہ بنایا۔ تکریم انسانیت کی اس سے بڑی چیز اور کیا ہوسکتی ہے۔ انسانیت کی یہ تکریم بحیثیت انسان ہے نہ کہ بحیثیت مومن وکافر۔ شریعت اسلامیہ اور سیرت نبویہ کے اندر تکریم انسانیت کی بہت ساری مثالیں موجود ہیں اور انسانوں کے ہر طبقے کے حقوق الگ الگ متعین کئے گئے ہیں جن سے بآسانی یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ انسان چاہے جس حیثیت اور مقام پر ہو وہ بحیثیت انسان مکرم ومشرف اور قابل احترام ہے۔ ایک انسان کی اگر دوسرے انسان پر فضیلت وبرتری ہے تو وہ ایمان واعمال صالحہ اور تقویٰ کی بنیاد پر ہے۔ رنگ، نسل اور وطن وزبان کی بنیاد پر تمام معیارات کو بے معنی وبے وقعت قرار دیتے ہوئے ان تمام چیزوں کو اضافی اور تعارفی قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوباً وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ (الحجرات:۱۳) اے لوگو! ہم نے سب کو ایک ہی مرد وعورت سے پیدا کیا ہے اور اس لئے کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو پہچانو، کنبے اور قبیلے بنادیئے ہیں، اللہ کے نزدیک تم سب میں سے باعزت وہ ہے جو سب سے زیادہ ڈرنے والا ہے۔ یقین مانو کہ اللہ دانا باخبر ہے۔

تکریم انسانیت کے اساس اور بنیاد کو بیان کرتے ہوئے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "يا أيها الناس إن ربكم

واحد ألا لا فضل لعربي على عجمي، ولا لعجمي على عربي، ولا لأحمر على أسود، ولا لأسود على أحمر إلا بالتقوى إن أكرمكم عند اللّٰه أتقاكم" (أخرجه أبو نعيم في حلية الأولياء: ۳ / ۱۰۰، والبيهقي في شعب الإيمان: ۵۱۳۷، وصححه الألباني في غاية المرام: ۳۱۳) کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر، کسی کالے کو کسی گورے پر اور کسی گورے کو کسی کالے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں، مگر فضیلت صرف تقویٰ کی بنیاد پر ہے اور تم میں سے باعزت وہ ہے جو اللہ سے زیادہ ڈرنے والا ہے۔

اسلام نے تکریم انسانیت کا درس دیتے ہوئے عدل ومساوات کا اعلیٰ تصور پیش کیا ہے۔نسلی وقبائلی برتری کے تمام بتوں کو پاش پاش کر دیا ہے۔تمام انسانوں کو بحیثیت انسان برابر قرار دیا ہے، انسانیت کے احترام کو مذہب وملت، دین وشریعت اور عقیدہ ومسلک کی بنیاد پر نہیں بلکہ انسانیت کی بنیاد پر واجب قرار دیا ہے۔ چنانچہ عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ بیان فرماتے ہیں: انھوں نے کہا کہ سہل بن حنیف اور قیس بن سعد رضی اللہ عنہما قادسیہ میں کسی جگہ بیٹھے ہوئے تھے، اتنے میں کچھ لوگ ادھر سے ایک جنازہ لے کر گزرے تو یہ دونوں بزرگ کھڑے ہوگئے، عرض کیا گیا کہ جنازہ تو ذمیوں کا ہے، اس پر انھوں نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کے پاس سے اسی طرح سے ایک جنازہ گزرا تھا، آپ ﷺ اس کے لئے کھڑے ہوگئے پھر آپ ﷺ سے کہا گیا کہ یہ تو یہودی کا جنازہ تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: "أليست نفسا" کیا یہودی کی جان نہیں ہے۔(صحیح بخاری:۱۳۱۲)

اس حدیث سے نبی کریم ﷺ کا احترام انسانیت کا جذبہ بالکل عیاں ہے، دین ومذہب کی تفریق کئے بغیر آپ ﷺ ایک یہودی غیر مسلم کے جنازے کے احترام میں کھڑے ہوگئے، انسانیت کے احترام کی اس سے بڑی مثال کیا ہو سکتی ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے بیان فرمایا کہ ایک یہودی بچہ نبی کریم ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا، وہ بیمار ہوگیا، آپ ﷺ اس بچے کی عیادت کے لئے تشریف لائے، اس کے سر کے پاس بیٹھے اور کہا کہ اسلام قبول کرلو، بچے نے اپنے والد کی طرف دیکھا (گویا اجازت طلب کر رہا تھا) والد نے کہا: "أطع أبا القاسم" ابوالقاسم ﷺ کی بات مان لو، چنانچہ بچے نے اسلام قبول کرلیا۔ نبی کریم ﷺ یہ فرماتے ہوئے نکلے: الحمد لله الذي أنقذه من النار" ہر طرح کی تعریف اس اللہ کے لئے ہے جس نے اس بچے کو آگ سے بچالیا۔(صحیح بخاری:۱۳۵۶)

ایک یہودی بچے پر شفقت ورحمت، اس کا احترام اور اسے جہنم کے عذاب سے بچانے کی اس سے بڑی مثال اور کیا ہو سکتی ہے؟

اسلام نے ہر طبقہ کے لوگوں کی عزت واحترام کا خیال رکھا ہے، اسلام سے قبل غلاموں کی کوئی عزت نہیں تھی، انھیں حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ وہ صرف خدمت اور بیگار کے لئے ہوتے تھے، ان کی عزت نفس کا بالکل خیال نہیں کیا جاتا تھا۔ اسلام نے ان کو آزاد کرانے کو افضل عمل قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْعَقَبَةُ. فَكُّ رَقَبَةٍ (البلد:۱۲،۱۳) کیا تم جانتے ہو کہ گھاٹی کیا ہے، کسی گردن (غلام ولونڈی) کو آزاد کرنا۔

اسلام نے غلامی کے خاتمے اور غلاموں اور لونڈیوں کی آزادی کے لئے ایسے اصول وضوابط بنائے جو نہایت ہی موثر تھے۔قرآن وحدیث میں غلاموں کی آزادی کی ترغیب دی گئی ہے۔کفارے میں غلاموں کی آزادی کو شامل کیا گیا ہے، نبی کریم ﷺ نے، غلاموں کی آزادی کو عظیم نیکی قرار دیا ہے۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "من أعتق رقبة أعتق الله بكل عضو منه عضوا منه من النار" (صحیح بخاری:۲۵۱۷،مسلم: ۱۵۰۹) جو شخص کسی غلام کو آزاد کرے، اللہ اس کے ہر عضو کے بدلے اسے جہنم سے آزاد کرے گا۔

آپ ﷺ نے غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کرتے ہوئے کتنی عظیم بات ارشاد فرمائی ہے۔ پورا واقعہ حضرت معرور بن سوید رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ بخاری ومسلم کی حدیث کے اندر کچھ اس طرح ہے: حضرت معرور بن سوید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انھوں نے بیان فرمایا کہ:

رأيت أبا ذر رضي الله عنه وعليه حلة، وعلى غلامه مثلها، فسألته عن ذلك؟ فذكر أنه ساب رجلا على عهد رسول الله ﷺ فعيره بأمه، فقال رسول الله ﷺ: إنك امرأ فيك جاهلية، هم إخوانكم وخولكم جعلهم الله تحت أيديكم، فمن كان أخوه تحت يده فليطعمه مما يأكل، وليلبسه مما يلبس، ولا تكلفوهم ما يغلبهم، فإن كلفتموهم فأعينوهم. (صحیح بخاری:۳۰،صحیح مسلم:۱۶۶۱)

''میں نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو دیکھا، آپ کے بدن پر ایک چوغا تھا اور ٹھیک اسی طرح کا چوغا ان کے غلام کے بدن پر بھی تھا، تو میں ان سے اس بابت پوچھ بیٹھا، تو انھوں نے بیان کیا کہ میں نے نبی کریم ﷺ کے وقت میں ایک آدمی کو گالی دے دی، اس کو اس کی ماں کی بابت عار دلا دی، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمہارے اندر اب تک جاہلیت کی خوبو موجود ہے، یہ لوگ تمہارے بھائی اور غلام ہیں، اللہ نے انھیں تمہارے ماتحت کر دیا ہے تو جس کا بھائی اس کے ماتحت ہو وہ اس کو بھی وہی کھلائے جو خود کھائے اور اس کو بھی وہی پہنائے جو خود پہنے اور ان پر اتنا بوجھ نہ ڈالو جو ان پر بھاری ہو، اگر ڈالو تو خود بھی ان کا تعاون کرو''۔

اللہ کے رسول ﷺ نے غلاموں پر ظلم وزیادتی کرنے سے سختی سے منع فرمایا ہے۔ارشاد ہے: "من لطم مملوكه أو ضربه فكفارته أن يعتقه" (صحیح مسلم:۱۶۵۷) جو اپنے غلام کو تھپڑ مارے اس کے کفارے کے طور پر اسے آزاد کرے۔

اسلام نے انسانی زندگی کے ہر طبقے کے اندر حقوق کی خاص رعایت کی ہے، زندگی کے تحفظ کا حق فراہم کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: أَنَّهُ مَن قَتَلَ نَفْساً بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِيْ الأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعاً وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعاً (المائدہ:۳۲) جو شخص کسی کو بغیر اس کے کہ وہ کسی کا قاتل ہو یا زمین میں فساد مچانے والا ہو، قتل کر ڈالے تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کر دیا اور جو شخص کسی ایک کی جان بچا لے اس نے گویا تمام لوگوں کو زندہ کر دیا۔

اس آیت کریمہ سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں انسانی خون کی کتنی اہمیت اور تکریم ہے، نفس سے مراد مومن وکافر ہر نفس ہے۔

اسلام نے احترام انسانیت ہی کی تعلیم کے تحت قتل انسانی کو حرام قرار دیا ہے۔ارشاد ربانی ہے: وَلاَ تَقْتُلُواْ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللّهُ إِلاَّ بِالْحَقِّ ذَلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ (الانعام:۱۵۱) جس کا خون کرنا اللہ نے حرام کردیا ہے اس کو قتل مت کرو ہاں مگر حق کے ساتھ (قصاص کے طور پر) ان کا تم کو تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم سمجھو۔

انسانی حقوق سے متعلق تفصیل کا یہ مقام نہیں ہے، یہاں حقوق کی جانب چند اشارے کئے جارہے ہیں۔اسلام نے کمزوروں کے حقوق کا خاص خیال کیا ہے تاکہ سماج اور معاشرے میں کمزوں کی توہین نہ ہو، انھیں ذلت اور حقارت کی نظر سے نہ دیکھا جائے۔ بچہ ہر سماج کا ایک لازمی حصہ ہے، ہر انسانی سماج میں بچوں کا وجود لازم ہے۔اسلام نے بچوں کے قتل سے سختی سے منع کیا ہے۔اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَلاَ تَقْتُلُواْ أَوْلاَدَكُم مِّنْ إمْلاَقٍ نَّحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ (الانعام:۱۵۱) اور اپنی اولاد کو افلاس کے سبب قتل مت کرو، ہم تم کو اور ان کو رزق دیتے ہیں۔

اسلام نے بچوں کے قتل سے منع فرمایا ہے، ان کی پرورش وپرداخت کرنے کی ترغیب دی ہے، ان کے تحفظ کا خیال رکھا ہے، ان کے تحفظ کے تئیں والدین کو خاص ہدایت دی ہے اور انھیں ان کے ساتھ محبت وشفقت کے ساتھ پیش آنے اور ان کو بہتر تعلیم وتربیت کے زیور سے آراستہ کرنے کی ترغیب دی ہے۔ان ساری ہدایات کے اندر احترام انسانیت کا پہلو بہت ہی نمایاں اور واضح ہے۔

انسانی زندگی میں ایک مرحلہ بڑھاپے کا بھی آتا ہے۔اسلام نے ہر عمر کے انسانوں کے حقوق کا خیال رکھا ہے۔اسلام میں بوڑھوں کے حقوق کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ایک عام بوڑھا انسان جس سے کوئی رشتہ داری یا تعلق نہ ہو اسلام میں اس کی بھی تعظیم وتوقیر کی ہدایت دی گئی ہے۔حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "إن من إجلال اللّه تعالى إكرام ذي الشيبة المسلم وحامل القرآن غير الغالي فيه والجافي عنه وإكرام ذي السلطان المقسط". (رواه أبو داود: ٤٠٥٣، وحسنه الألباني) پکے ہوئے بال والے مسلمان (بوڑھے مسلمان) حامل قرآن جو اس میں غلو نہ کرتا ہو اور انصاف ور بادشاہ کا اکرام اللہ تعالیٰ کا اکرام ہے۔

یہ حدیث عام ہے، پکے ہوئے بال والا بوڑھا انسان چاہے کسی بھی مذہب کا ہو اپنا ہو یا غیر، مالدار ہو یا غریب، اونچے مقام والا ہو یا کمتر درجہ رکھتا ہو، ہر حال میں اس کی تعظیم وتوقیر اور اس کا احترام ضروری ہے اس لئے کہ وہ ایک انسان ہے۔ والدین کے حقوق کو اسلام نے وہ اہمیت دی ہے جو کسی بھی مذہب میں نہیں ہے، اس میں بھی کوئی تفریق نہیں کہ والدین مسلمان ہیں یا کافر۔ارشاد ربانی ہے: وَقَضَى رَبُّكَ أَلاَّ تَعْبُدُواْ إِلاَّ إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَاناً إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِندَكَ

الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلاهُمَا فَلا تَقُل لَّهُمَا أُفٍّ وَلا تَنْهَرْهُمَا وَقُل لَّهُمَا قَوْلاً كَرِيماً. وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُل رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيراً (الاسراء:۲۳،۲۴) اور تیرا رب صاف صاف حکم دے چکا ہے کہ تم اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرنا، اگر تیری موجودگی میں ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کے آگے اف تک نہ کہنا، نہ انہیں ڈانٹ ڈپٹ کرنا بلکہ ان کے ساتھ ادب واحترام سے بات چیت کرنا اور عاجزی اور محبت کے ساتھ ان کے سامنے تواضع کا بازو پست رکھنا اور دعا کرتے رہنا اے میرے رب ان پر ویسا ہی رحم کر جیسا انہوں نے میرے بچپن میں میری پرورش کی ہے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے بعد دوسرے نمبر پر والدین کے ساتھ حسن سلوک اور ان کے ادب واحترام کرنے کا حکم دیا ہے۔ بڑھاپے میں والدین کمزور ولاچار، بے بس اور مجبور ہوتے ہیں اور اولاد جوان ہوتی ہے لہٰذا بوڑھے والدین کے ادب واحترام کا اسلام نے خاص خیال رکھا ہے حتی کہ انھیں ڈانٹنے ڈپٹنے اور ان کے سامنے زور زور سے بات کرنے تک سے منع فرمایا ہے، ان کی خدمت کو حصول جنت کا ذریعہ بنایا ہے۔

فتح مکہ کے موقع پر اسلام کے بڑے بڑے دشمنان سامنے تھے، کفار اور مشرکین کی ایک بڑی جماعت مجرم کی حیثیت سے آپ ﷺ کے سامنے کھڑی تھی، آپ ان پر پورے طور پر قابض تھے، ان کو قتل کرا سکتے تھے، ان کے مال واسباب چھین سکتے ہیں، لیکن قربان جائیے آپ ﷺ کے جذبہ احترام انسانیت پر آپ نے سب کو معاف کر دیا اور انھیں آزادی دے کر انھیں دنیا میں باعزت طریقے سے جینے کا حق عطا فرمایا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''قریش کے لوگو! تمہارا کیا خیال ہے، میں تمہارے ساتھ کیسا سلوک کرنے والا ہوں؟ انھوں نے کہا: اچھا، آپ کریم بھائی ہیں اور کریم بھائی کے صاحبزادے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: تو میں تم سے وہی بات کہہ رہا ہوں جو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہی تھی کہ ''لا تثريب عليكم اليوم'' آج تم پر کوئی سرزنش نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو''۔ (الرحیق المختوم، ص:۵۵۱)

اسلام سے قبل عورتوں کی بڑی توہین کی جاتی تھی، سارے مذاہب میں عورتیں گری پڑی شے سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی تھیں۔ سماج ومعاشرے میں ان کا کوئی مقام نہیں تھا بلکہ عرب معاشرے میں لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی زندہ دفن کر دیا جاتا تھا۔ قرآن کریم کے اندر اللہ تعالیٰ نے اس صورت حال کو بیان فرمایا ہے، ارشاد ربانی ہے: وَإِذَا الْمَوْؤُودَةُ سُئِلَتْ. بِأَيِّ ذَنبٍ قُتِلَتْ (التکویر:۸،۹) اور جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے سوال کیا جائے گا کہ کس گناہ کی وجہ سے وہ قتل کی گئی۔

اسلام نے عورتوں کو سماج ومعاشرہ کے اندر وہ مقام عطا کیا کہ دوسرے مذاہب میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

بیٹی کی حیثیت سے لڑکیوں کے ساتھ شفقت ومحبت کے ساتھ پیش آنے کی ترغیب دی گئی، ان کی پرورش وپرداخت اور تعلیم وتربیت پر جنت کی بشارت دی گئی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "من ابتلي من هذه البنات فأحسن إليهن كن له سترا من النار" (صحیح بخاری:۱۴۱۸، صحیح مسلم:۲۶۲۹) جس آدمی کو یہ بیٹیاں دی جائیں اور وہ ان کے ساتھ حسن سلوک

کرے تو یہ بیٹیاں اس کے لئے جہنم سے آڑ بن جائیں گی۔

ماں کی حیثیت سے اسلام نے عورتوں کو ایسی عزت بخشی کہ اس کی کہیں کسی اور مذہب میں کوئی نظیر نہیں مل سکتی۔ ماں ایک مقدس اور قابل احترام ہستی ہے، باپ سے بھی زیادہ حسن سلوک کی مستحق ہے۔

عورت بیوی کی حیثیت سے حسن سلوک کی مستحق ہے، مومنوں کو حکم دیا گیا ہے: **وعاشروهن بالمعروف** (النساء:۱۹) ان عورتوں کے ساتھ اچھے طریقے سے بود و باش رکھو۔

خطبہ حجۃ الوداع کے اندر اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ہاں عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو اور ان کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرو۔ (الرحیق المختوم، ص:۶۱۶)

اسلام نے انسانوں کو جو اجتماعی، انفرادی اور سماجی و معاشرتی حقوق دیئے ہیں ان سب میں احترام انسانیت کا پہلو غالب ہے، ان سارے حقوق کو قرآن وحدیث کی روشنی میں مدون و مرتب مفصل عربی و اردو کتابوں میں دیکھا و پڑھا جا سکتا ہے۔

مذکورہ تفصیلات اسلام میں احترام انسانیت کی ادنیٰ جھلک ہیں، ان کی روشنی میں ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ اسلام ہی دراصل احترام انسانیت کا حقیقی علمبردار ہے، کسی کو اسلام میں احترام انسانیت کی حقیقی تصویریں دیکھنی ہو تو وہ نبی کریم ﷺ کی سیرت کا مطالعہ کرے، نبی کریم ﷺ کی پیغمبرانہ جدوجہد اور آپ ﷺ کا عطا کردہ قانون معاشرت و مملکت، طرز حیات، آپ ﷺ کی تعلیمات و ہدایات اپنی روح و معنویت کے اعتبار سے احترام انسانیت اور تحفظ حقوق کی حقیقی ضامن ہیں۔

اللہ ہمارا حامی و ناصر ہو، آمین۔

☆☆☆

عقائد کے باب میں منہج سلف کی وسطیت

مامون رشید بن ہارون رشید سلفی

سلفی دعوت وسطیت، میانہ روی اور اعتدال پسندی کا حسین مظہر ہے، جو کہ ہر قسم کی مبالغہ آرائی، انتہا پسندی، غلو وتطرف، اور تمام طرح کی تساہل پسندی اور تفریط وتقصیر سے کوسوں دور ہے۔

جس طرح دین اسلام تمام ادیان ومذاہب کے مابین افراط وتفریط سے پاک معتدل ومتوسط دین ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا (البقرۃ:۱۴۳) اسی طرح منہج سلف اور مسلک اہل الحدیث بھی اسلام کی طرف انتساب کرنے والے تمام عقدی فقہی اور فکری مسالک کے مابین وسطیت واعتدال کا علمبردار ہے، واضح رہے کہ یہاں وسطیت کا مطلب مطلقاً 'بیچ کا راستہ' اور 'درمیانہ موقف' نہیں ہے بلکہ ہر وہ بات معتدل ومتوسط ہے جو قرآن وسنت سے ثابت ہے اور جس پر ائمہ سلف چلے ہیں خواہ معترضین وحاسدین، دشمنان دین اور مشککین وملبّسین اسے کچھ بھی کہتے ہوں، ان کی باتوں کا کوئی اعتبار نہیں ہے، مثال کے طور پر متجددین شرعی حدود وقصاص جیسے رجم اور چوری وغیرہ کی سزاؤں کو انتہاء پسندی اور ظلم سے تعبیر کرتے ہیں جبکہ یہ عین وسطیت ہے کیونکہ یہ رب العالمین کا حکم ہے جو قرآن کریم کے اندر صراحتاً موجود ہے، اسی طرح بعض مغرب زدہ مسلمان مفکرین حجاب کے وجوب اور مرد وزن کے اختلاط کی ممانعت کو تنگ نظری، قدامت پسندی اور بنیاد پرستی کا نام دیتے ہیں جبکہ یہ واضح شرعی احکام ہیں۔

دور جدید کے عقلانیت زدہ افراد احادیث نبویہ کا انکار سرے سے کرتے ہیں جبکہ محدثین کرام ہر طرح کی مقبول احادیث سے احتجاج واستدلال کرتے ہیں خواہ وہ متواتر ہوں یا آحاد، اب ان دونوں آراء کے مقابلے میں معتدل ومتوسط رائے یہ تو نہیں ہوسکتی کہ مکمل انکار یا کامل اقرار وقبول کے بجائے متواتر کو قبول کیا جائے اور آحاد کو ٹھکرا دیا جائے؟!!! بلکہ وسطیت وہی ہے جو حق ہے کہ ہر وہ حدیث مقبول ہے جس کے اندر مقبول حدیث کی تمام شرائط پائی جاتی ہیں۔

ذیل میں عقائد کے باب میں اہل الحدیث والسنہ کے اعتدال ووسطیت کے چند نمونے ملاحظہ فرمائیں:

(۱) اسماء وصفات کے باب میں وسطیت:

اس باب میں اہل قبلہ کے منجملہ تین گروہ ہیں، جن میں سے دو افراط وتفریط کی انتہا پر ہیں اور ایک متوسط ومعتدل ہے۔

پہلا گروہ: ممثلہ ومشبہ کا ہے، جو اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اسماء وصفات بالکل ہمارے یعنی

مخلوقات کے اسماء وصفات کے مماثل ومشابہ ہیں، اس گروہ کے موقف میں حق اور باطل دونوں ہیں، حق یہ ہے کہ یہ اسماء وصفات کا اثبات کرتے ہیں، اور باطل یہ ہے کہ یہ مماثلت ومشابہت کا عقیدہ رکھتے ہیں، پس ان لوگوں نے اسماء وصفات کا اثبات کرنے والے دلائل پر پوری توجہ مرکوز رکھی اور مماثلت کی نفی کرنے والے دلائل سے غفلت برتی اور انہیں پس پشت ڈال دیا، لہٰذا ان کے ہاں "اثبات" کے معاملے میں غلو اور انتہا پسندی ہے، چنانچہ یہ لوگ اثبات کے سلسلے میں شرعی حد پر نہ رکے بلکہ اس سے تجاوز کیا اور مبالغہ آرائی سے کام لیا یہاں تک کہ تمثیل وتشبیہ کی بدعت میں جا گرے، سب سے پہلا شخص جس نے تمثیل کی بات کی اور کہا کہ "اللہ کی صفات ہماری صفتوں جیسی ہیں" وہ زندیق ہشام بن الحکم رافضی تھا۔

دوسرا گروہ: معطلہ کا ہے، خواہ وہ کلی طور پر اسماء وصفات باری تعالیٰ کے منکرین جہمیہ ہوں یا صرف صفات الٰہیہ کے منکرین معتزلہ ہوں، یا پھر تاویل کرنے والے اشاعرہ وماتریدیہ اور کلابیہ وغیرہ ہوں، جو اس بات کے قائل ہیں کہ ہم اللہ جل شانہ کی مخلوقات سے مماثلت ومشابہت کی تنزیہ کرتے ہیں، اور اس کے لئے یہ لوگ تمام اسماء وصفات یا بعض صفات کی تاویل اور نفی کرتے ہیں، اس موقف میں بھی حق اور باطل دونوں ہیں، حق یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات سے مماثلت کی تنزیہ ونفی کرتے ہیں اور باطل یہ ہے کہ یہ سرے سے اسماء وصفات ہی کی نفی کر ڈالتے ہیں، پس ان لوگوں نے مماثلت کی نفی کرنے والے دلائل پر پوری توجہ مرکوز رکھی اور اسماء وصفات کا اثبات کرنے والے دلائل سے بے اعتنائی برتی، سو ان کے ہاں "تنزیہ" کے باب میں غلو اور افراط ہے، چنانچہ یہ لوگ تنزیہ کے سلسلے میں شرعی حد پر نہ رکے بلکہ اس سے تجاوز کیا اور مبالغہ آرائی سے کام لیا یہاں تک کہ تعطیل وانکار کی گمراہی میں جا گرے، اس گروہ کا سرغنہ جعد بن درہم، بشر المریسی، اور جہم بن صفوان ہیں، جہمیہ معتزلہ اشاعرہ اور ماتریدیہ اسی انتہاء پر کھڑے ہیں اور انہیں گمراہوں کی راہوں کے راہی ہیں، قابلِ غور بات یہ ہے کہ تمثیل وتشبیہ کے قائلین نے جن دلائل پر اعتماد کیا ہے وہ وہی دلائل ہیں جنہیں معطلہ نے قابل التفات نہیں سمجھا اور پس پشت ڈال دیا ہے، اور اہل تعطیل نے جن دلائل سے استدلال کیا ہے وہ وہی دلائل ہیں جنہیں ممثلہ نے ترک کر دیا ہے، جبکہ اہل السنہ اہل الحدیث نے دونوں طرف کے دلائل کو قبول کیا ہے اور تمام دلائل کو سامنے رکھتے ہوئے ان کی روشنی میں اپنا عقیدہ اختیار کیا ہے۔

تیسرا گروہ: اہل السنہ اہل الحدیث کا ہے، جو منہج سلف صالحین کے علم بردار ہیں، اور اس بات کے قائل ہیں کہ ہم ان تمام اسماء وصفات کا اثبات کرتے ہیں جو کتاب اللہ اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی مخلوقات سے مماثلت ومشابہت کی تنزیہ اور نفی کرتے ہیں، چنانچہ نہ تو تمثیل وتشبیہ بیان کرتے ہیں، نہ ہی کیفیت بتلاتے ہیں اور نہ تعطیل وتحریف اور تاویل کرتے ہیں، پس نہ تو ان کا اثبات ممثلہ کے اثبات کی طرح ہے جو اثبات کے ساتھ تمثیل وتشبیہ کا عقیدہ رکھتے ہیں اور تنزیہ سے صرف نظر کرتے ہیں، اور نہ ان کی تنزیہ معطلہ کی تنزیہ کی طرح ہے جو تنزیہ کے نام پر اسماء وصفات کی تعطیل وانکار کرتے ہیں، بلکہ وہ ایسا

اثبات کرتے ہیں جس میں تمثیل نہیں ہوتی اور ایسی تنزیہ کرتے ہیں جس میں تعطیل وانکار نہیں ہوتا، اور یہ عقیدہ اللہ تعالیٰ کے اس قول لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ (الشوریٰ۱۱) سے ماخوذ ہے، لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ کے اندر ممثلہ پر رد ہے اور تمثیل کی نفی ہے، اور وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ کے اندر معطلہ پر رد ہے اور تعطیل وانکار کی نفی ہے۔

یہی 'وسطیت' ہے، جو اہل الحدیث کا خاصہ اور امتیاز ہے، چنانچہ اہل السنہ اس باب میں اثبات بھی کرتے ہیں اور تنزیہ بھی، اور دونوں اطراف کے دلائل پر عمل کرتے ہیں، پس ان کا اثبات بھی معتدل ہے اور تنزیہ بھی معتدل، نہ تو وہ افراط کے شکار ہیں اور نہ ہی تفریط کے مریض۔

(۲) قضاء وقدر کے باب میں وسطیت:

اس باب میں اہل قبلہ کے تین فرقے ہیں، ایک افراط کا شکار ہے، دوسرا تفریط کا، اور تیسرا وسطیت واعتدال کے شرف سے مشرف ہے۔

پہلا فرقہ: جبریہ کا ہے، جو کہتے ہیں کہ ہر شے اللہ تعالیٰ کے قضاء وقدر سے وقوع پذیر ہوتی ہے، لیکن ساتھ ہی یہ بھی عقیدہ رکھتے ہیں کہ بندوں کے پاس کوئی قدرت اور کچھ بھی اختیار نہیں ہے، وہ جو کچھ کرتے ہیں اس کے کرنے پر مجبور ہیں، وہ خود نہیں کرتے بلکہ ان سے کروایا جاتا ہے، حقیقی فاعل تو اللہ تعالیٰ ہیں، وہ ہوا کے رخ پر پڑے پنکھ اور توے پر پڑے روٹی کی طرح ہیں، ان کے پاس مطلقاً کوئی قدرت اور کسی بھی قسم کا اختیار نہیں ہے۔

ان کے اس موقف میں حق بھی ہے اور باطل بھی، حق یہ ہے کہ یہ لوگ تقدیر کا اثبات کرتے ہیں، اور یہ اقرار کرتے ہیں کہ ہر چیز اللہ کی قدرت سے وقوع پذیر ہوتی ہے، اور باطل یہ ہے کہ یہ بندوں سے مکمل طور پر علی الاطلاق ہر قسم کی قدرت واختیار کی نفی کرتے ہیں، پس ان کے ہاں "اثبات تقدیر" کے باب میں غلو وتطرف ہے، چنانچہ ان لوگوں نے ان دلائل کو لازم پکڑا ہے جن میں تقدیرِ سابق اور کتابتِ سابقہ کا اثبات ہے، لیکن ان دلائل کو پس پشت ڈال دیا ہے جن کے اندر فعل کی نسبت بندوں کی طرف کی گئی ہے۔

دوسرا فرقہ: قدریہ کا ہے، جو قضاء وقدر کے منکر ہیں، اور کہتے ہیں کہ بندوں کے پاس مکمل قدرت اور مطلق اختیار موجود ہے، وہ خود اپنے افعال کے موجِد اور خالق ہیں، سابقہ تقدیر سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے، بلکہ بندوں کی مشیت اور اللہ کی مشیت کے مابین بھی کوئی ربط وتعلق نہیں ہے۔

ان میں سے بعض لوگ کتابتِ تقدیر، اللہ تعالیٰ کے علمِ سابق اور مشیتِ سابقہ کے بھی منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ چیزیں اچانک وقوع پذیر ہو جاتی ہیں، اللہ تعالیٰ کو بندوں سے صادر ہونے والے افعال کا صدور ووقوع سے پہلے کوئی علم نہیں ہوتا، اسی قسم کے لوگوں کو صحابہ نے کافر قرار دیا تھا، یہ غالی قسم کے قدریہ ہیں، جبکہ متاخرین قدریہ علم سابق کا اثبات کرتے ہیں لیکن بندوں کو ہی اپنے افعال کا خالق قرار دیتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ انہیں مطلق قدرت واختیار حاصل ہے، ان سب کے ہاں 'اثبات تقدیر' کے باب میں تفریط وتقصیر ہے اور انہوں نے ان دلائل کو حرزِ جاں بنالیا ہے جن کے اندر فعل کی نسبت بندوں کی طرف کی گئی ہے

لیکن ان لوگوں نے ان دلائل سے غفلت برتی ہے جو تقدیر سابق کا اثبات کرتے ہیں، چنانچہ جبریہ "اثبات تقدیر" میں افراط کے شکار ہیں یہاں تک کہ بندوں سے اختیار وقدرت کی مطلق نفی کرتے ہیں، اور قدریہ "اثبات تقدیر" میں تفریط کے شکار ہیں یہاں تک کہ بندوں کو ہی خالق قرار دیتے ہیں اور ان کے لئے مطلق طور پر مکمل قدرت واختیار اور مشیت کا اثبات کرتے ہیں، اس طرح سے دونوں فرقوں کے ہاں انتہاء پسندی ہے اور دونوں نے دلائل کے ایک سرے کو پکڑا ہے اور دوسرے سرے کو چھوڑ دیا ہے۔

تیسرا فرقہ: اہل الحدیث سلفیوں کا ہے، جو تقدیر سابق اور اس کے چاروں مراتب، علم، کتابت، مشیت اور خلق کا اثبات کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کائنات میں جو کچھ ہوا، ہوتا اور ہونے والا ہے اللہ تعالیٰ کو ازل سے ان سب کا علم ہے، کوئی چھوٹی سے چھوٹی اور دقیق سے دقیق ترشی ءاس کے علم سے خارج نہیں ہے، اور اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کی تخلیق سے پچاس ہزار سال قبل ان تمام امور کی تفاصیل کو لکھ لیا ہے، اور اس کائنات کے اندر جو کچھ بھی ہوتا ہے وہ اس کی قدرت ومشیت اور اختیار سے ہوتا ہے، اور وہی تمام مخلوقات کے افعال اور حرکات وسکنات کا خالق ہے۔

نیز یہ بھی عقیدہ رکھتے ہیں کہ بندوں کے پاس بھی اختیار اور قدرت ہے جس سے وہ چیزوں کے مابین انتخاب کر سکتے ہیں اور مختلف راستوں کے بیچ صحیح اور مناسب راستے کو اپنے لئے چن سکتے ہیں، پس اہل الحدیث دونوں باتوں پر ایمان رکھتے ہیں، چنانچہ تقدیر الٰہی کا اثبات بھی کرتے ہیں اور بندوں کے لئے اختیار وقدرت اور مشیت کا اثبات بھی کرتے ہیں، نہ تو ان کے ہاں افراط ہے اور نہ ہی تفریط، بلکہ وہ دونوں طرف کے دلائل کو قبول کرتے ہیں اور دونوں گروہوں کے پاس جو حق موجود ہے اسے اپناتے ہیں، اور باطل کو دیوار پر دے مارتے ہیں، جبریہ کے پاس جو حق ہے وہ تقدیر کا اثبات ہے اور قدریہ کے پاس جو حق ہے وہ بندوں کے لئے قدرت واختیار کا اثبات ہے اور اہل السنہ ان دونوں کو قبول کرتے ہیں۔

(۳) مرتکب کبیرہ کے دنیاوی حکم کے مسئلہ میں وسطیت:

اس مسئلہ میں اہل قبلہ کے تین گروہ ہیں:

پہلا گروہ: مرجئہ کا ہے، جو کہتے ہیں کہ گناہ کا ایمان کی کمی پر کوئی اثر نہیں ہوتا جب تک کہ وہ گناہ شرک نہ ہو، ایک مؤمن شخص کوئی بھی اور کتنا بھی بڑا گناہ کیوں نہ کرلے اگر وہ شرک نہیں کرتا تو اُس کا ایمان بالکل کامل ومکمل ہوتا ہے، اس کے ایمان میں ہرگز کسی بھی قسم کی کمی واقع نہیں ہوتی ہے، بلکہ ان میں سے بعض تو یہاں تک کہتے ہیں کہ ''سب سے بڑا فاسق وفاجر انسان کا ایمان ابوبکر وعمر اور جبرئیل کے ایمان'' کی طرح ہے، ان کے نزدیک ایمان ایک ایسا جامد ومتصلب جزو ہے جس کے اجزاء نہیں ہوتے اور اسے کفر یا شرک کے علاوہ کوئی بھی گناہ نقصان نہیں پہنچاتا، ان کے ہاں اس مسئلہ میں انتہائی تفریط پائی جاتی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ صرف وعد اور رجاء سے متعلق دلائل کو لیتے ہیں اور تفریط وتساہل میں غلو کرجاتے ہیں۔

دوسرا گروہ: 'وعیدیہ' کا ہے، جو کہتے ہیں کہ جب کوئی بندہ کسی کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرتا ہے تو اس سے مکمل طور پر "ایمان" کا لقب چھن جاتا ہے، ایسی صورت میں اسے

ہرگز مؤمن نہیں کہا جا سکتا، کیونکہ کبائر کے ساتھ ایمان کا وجود ممکن نہیں ہے، یہ خوارج ومعتزلہ اوران کے ہم مشرب لوگ ہیں، ان سب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مرتکب کبیرہ "مسمی ایمان" سے خارج ہوجاتا ہے، لیکن کیا اسے کافر کہا جا سکتا ہے؟ خوارج کہتے ہیں کہ ایسا شخص کافر ومرتد ہوجاتا ہے سو اسے کافر کہا جا سکتا ہے، جبکہ معتزلہ تھوڑی جھجھک کا مظاہرہ کرتے ہیں اور قدرے مہذب اسلوب میں کہتے ہیں کہ "نہ تو ہم اسے مؤمن کہیں گے اور نہ ہی کافر کہیں گے" بلکہ وہ کفر اور ایمان دونوں مرتبوں کے بیچ میں ہوتا ہے، یعنی وہ دائرہ ایمان سے مکمل طور پر خارج ہوجاتا ہے لیکن دائرہ کفر کے اندر داخل نہیں ہوتا، یہ معتزلہ کی فریب دہی اور ملمع سازی ہے ورنہ معتزلہ کا قول بعینہ خوارج ہی کا قول ہے ان دونوں آراء میں کوئی فرق نہیں ہے، کیونکہ ایمان وکفر ایک دوسرے کا نقیض ہے اور دو متناقض چیزیں نہ تو بیک وقت جمع ہوسکتی ہیں اور نہ ہی بیک وقت مرتفع ہوسکتی ہیں، چنانچہ بندہ یا تو مومن ہوگا یا پھر کافر، لہٰذا اگر کوئی کسی سے "ایمان" کا وصف سلب کرلے تو وہ لازمی طور پر کافر ہوگا چاہے اسے کوئی بھی نام دے اور کچھ بھی کہے!!! اسی طرح یہ معتزلہ کہتے ہیں کہ مرتکب کبیرہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں رہے گا اب اگر وہ کافر نہیں ہے تو پھر ''خالدا مخلدا فی النار'' کیسے ہوگا؟! لہٰذا حقیقت یہی ہے کہ اس مسئلہ میں معتزلہ اور خوارج کے قول میں کوئی فرق نہیں ہے!!!

دراصل وجہ یہ ہے کہ وعیدیہ نے صرف وعید وتہدید کے تعلق سے وارد دلائل کو پیش نظر رکھا اور افراط ومبالغہ آرائی کے شکار ہوگئے، چنانچہ مرجئہ نے مرتکب کبیرہ کو کامل ایمان کے مقام پر فائز کردیا، جبکہ وعیدیہ نے مرتکب کبیرہ سے مطلق ایمان کی نفی کی اور انہیں دائرہ ایمان سے خارج قرار دیا، ایک گروہ نے افراط سے کام لیا تو دوسرے نے تفریط سے!

تیسرا گروہ: اہل السنہ والجماعہ کا ہے جو ان دونوں انتہاؤں کے بیچ اعتدال ووسطیت کی راہ پر گامزن ہیں، اور دونوں طرف کے دلائل کو قبول کرتے ہوئے تمام دلائل کی روشنی میں عقیدہ اخذ کرتے ہیں، چنانچہ وہ نہ تو ذنوب ومعاصی کو غیر مؤثر قرار دیتے ہیں اور نہ ہی کبائر کی وجہ سے تکفیر کرتے ہیں، بلکہ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ عمل ایمان کا رکن ہے، اچھے اعمال سے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے اور برے اعمال اور گناہ کے کاموں سے ایمان میں کمی واقع ہوتی ہے، لیکن جب تک کوئی بندہ کفر یا شرک کا ارتکاب نہیں کرتا وہ دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا ہے، ہاں گناہوں کی وجہ سے اس میں کمی اور کمزوری ضرور واقع ہوتی ہے، ان کے ہاں مرتکب کبیرہ 'مؤمن بإيمانه فاسق بكبيرته' ہے، یعنی مرتکب کبیرہ نہ تو پکا اور کامل مؤمن ہے اور نہ ہی دائرہ ایمان سے خارج کافر ومرتد ہے، بلکہ ناقص الایمان مؤمن اور گناہوں کی وجہ سے فاسق ہے۔

(۴) مرتکب کبیرہ کے اخروی انجام کے معاملے میں وسطیت:

اس باب میں بھی اہل قبلہ کے تین فرقے ہیں:

پہلا فرقہ: مرجئہ کا ہے جو کہتے ہیں کہ ایک مسلمان اگر کفر یا شرک کا ارتکاب نہیں کرتا خواہ وہ کتنا بھی بڑے سے بڑا گناہ کیوں نہ کرلے پکا مؤمن رہتا ہے اور نتیجتاً آخرت

میں اس کا ٹھکانا جنت ہے۔

دوسرا فرقہ: وعیدیہ خوارج ومعتزلہ کا ہے جو مرتکب کبیرہ کو دائرہ ایمان سے خارج قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آخرت میں ان کا ٹھکانا جہنم ہے، وہ ہرگز جنت میں داخل نہیں ہوگا اور نہ ہی وہ اس کا مستحق ہے۔

تیسرا فرقہ: اہل الحدیث سلفیوں کا ہے جو مرتکب کبیرہ یا کسی بھی مسلمان کے جنت یا جہنم میں داخل ہونے کا فیصلہ نہیں کرتے، چنانچہ نہ تو وہ یہ کہتے ہیں کہ مرتکب کبیرہ ڈائریکٹ جنت میں جائے گا اور ہمیشہ اسی میں رہے گا اور نہ ہی یہ کہتے ہیں کہ ڈائریکٹ جہنم میں جائے گا اور ہمیشہ اسی میں رہے گا، بلکہ اسے اللہ کی مشیت پر چھوڑ دیتے ہیں کہ اگر اللہ چاہے تو اسے معاف کر کے اول وہلہ ہی میں جنت میں داخل کر دے گا اور اگر چاہے تو جہنم میں داخل کر کے اسے اس کے گناہوں کے بقدر سزا دے گا اس کے بعد جنت میں داخل کرے گا، لیکن چونکہ وہ شرک یا کفر کا مرتکب نہیں ہے اس لئے بہرحال جنت کا مستحق ہے خواہ سزا بھگتنے کے بعد ہی کیوں نہ ملے جنت ضرور ملے گی۔

(۵) اہل بیت کے معاملے میں وسطیت:

اس باب میں بھی اہل اسلام کے تین گروہ ہیں:

پہلا گروہ: رافضی شیعوں کا ہے، جو اہل بیت کے تعلق سے انتہائی مبالغہ آرائی اور افراط سے کام لیتے ہیں، چنانچہ وہ ان کے تعلق سے باطل اور کفریہ وشرکیہ عقائد رکھتے ہیں، اور انہیں گناہ وخطا سے معصوم سمجھتے ہیں، نیز انہیں اللہ تعالیٰ کے اوصاف سے متصف کرتے ہوئے مقام ربوبیت پر فائز کر دیتے ہیں، جیسے ان کا یہ کہنا کہ ائمہ اہل بیت عالم الغیب تھے، وہ بارش برسانے، اولاد دینے، ہوا چلانے، فتح یا شکست دینے وغیرہ پر قادر ہیں، جنت میں وہی داخل ہوں گے جنہیں اہل بیت چاہیں گے اور جہنم میں بھی وہی لوگ جائیں گے جنہیں اہل بیت بھیجیں گے، اسی لئے وہ ان سے مدد طلب کرتے ہیں، ان کے مزاروں پر رکوع وسجود کرتے ہیں، ان سے شفایابی کی دعا کرتے ہیں اور ان کے لئے مختلف قسم کے نذر ونیاز اور عبادت کرتے ہیں۔

دوسرا گروہ: خوارج ونواصب کا ہے جو پہلے گروہ کے بالکل برعکس ہیں، یہ اہل بیت سے بغض وحسد اور دشمنی کرتے ہیں اور ان کے خون ومال کو حلال سمجھتے ہیں، چنانچہ پہلا گروہ محبت میں افراط ومبالغہ کے شکار ہیں جس کی وجہ سے وہ انہیں مقام الوہیت وربوبیت پر فائز کر دیتے ہیں، جبکہ دوسرا گروہ نفرت وعداوت میں انتہاء پسندی کا مریض ہے یہاں تک کہ انہیں کفار سمجھ کر ان کا خون ومال حلال سمجھتا ہے۔

تیسرا گروہ: اہل السنہ والجماعہ کا ہے، جو یہ کہتے ہیں کہ ہم اہل بیت سے محبت کرتے ہیں، لیکن ان میں سے کسی کی محبت میں افراط اور مبالغہ آرائی سے کام نہیں لیتے کہ اسے ربانی خصوصیات اور مقام نبوت عطا کر دیں، اور جو ان سے بغض ونفرت کرتا ہے اللہ کے واسطے ہم اس سے بغض ونفرت کرتے ہیں، ہم ان سے محبت کرتے ہیں کیونکہ وہ مؤمن ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت دار ہیں، اور ساتھ ہی یہ بھی عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ غیر معصوم اور منجملہ انسانوں میں سے ہیں، جو اچھے کام بھی کرتے ہیں اور غلطیاں بھی کرتے ہیں، ان کے پاس نہ تو نبوی خصائص ہیں اور نہ الٰہی صفات، ان سے محبت دین ایمان اور احسان

ہے جبکہ ان سے نفرت فسق ونفاق اور عصیان ہے، یہی اہل السنہ کا معتدل عقیدہ ہے چنانچہ ہم خوارج کے برعکس ان سے محبت کرتے ہیں اور روافض کے برعکس انہیں بشر سمجھتے ہیں اوران کی شان میں مبالغہ آرائی نہیں کرتے !!!

(٦) عقل کی شرعی حیثیت کے مسئلہ میں وسطیت:

معتزلہ اوران کے ہم نوا متکلمین وفلاسفہ مبالغہ آرائی سے کام لیتے ہوئے عقل اور معقولات کو ہی کل کائنات سمجھتے ہیں اور معقولات کو حسیات اور نصوصِ کتاب وسنت پر بھی مقدم گردانتے ہوئے نصوص کواس کے تابع قرار دیتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ نصوصِ کتاب وسنت اخبار کے قبیل سے ہیں جن میں صدق وکذب دونوں کا احتمال ہے اور یہ ظنّیات ہیں قطعی نہیں ہیں، جبکہ معقولات قطعی ہیں، چنانچہ اپنے اس باطل اصول کے سہارے ان لوگوں نے نصوص سے ثابت بہت سارے اجماعی عقائد کا انکار کیا ہے جیسے عذاب قبر، شفاعت، رؤیت باری تعالیٰ اور میزان وغیرہ اور صفات الٰہیہ کی نفی کی ہے۔

اس کے برعکس بعض لوگ عقل کو یکسر نظر انداز کردیتے ہیں اور عقلی دلالت کو بالکل پس پشت ڈال دیتے ہیں، اور منقولات وحسیات کے تعلق سے غلو کرتے ہوئے احکام الٰہیہ وشرائع اسلامیہ کی علتوں اور حکمتوں کی نفی کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ محض ارادہ کرتا ہے اور حکم دے دیتا ہے ان کے احکام کے پیچھے کوئی علت یا حکمت نہیں ہوتی۔

لیکن اہل الحدیث کا نظریہ یہ ہے کہ کوئی بھی صحیح معقول شیء کسی بھی صحیح نصِ شریعت یا حِسِّ صحیح کے مخالف ومعارض نہیں ہوسکتی، اسی طرح کوئی بھی نقلِ سلیم کسی بھی عقل یا حسِ سلیم کے معارض نہیں ہوسکتی، چنانچہ اگر کہیں بظاہر ایسا لگتا ہو کہ عقل ونقل میں تعارض وتناقض ہے تو یا تو نقل صحیح وثابت نہیں ہوگی یا عقلی دلالت ناقص اور عقل غیر سلیم ہوگی، لیکن عقل کے ساتھ محض ظاہری تعارض کی وجہ سے نقلِ صحیح کا انکار یا تاویل نہیں کی جائے گی خواہ نقل متواتر ہو یا آحاد، اگر نقل صحیح وثابت ہو تو بہرحال وہ عقل پر مقدم ہوگی کیونکہ عقلی دلالت میں خطا کا وقوع ظاہر ہے جبکہ نصِ شریعت وحی الٰہی ہے اور وحی میں غلطی کا تصور کفر ہے۔

چنانچہ اہل الحدیث نہ تو سرے سے عقل کو متروک وغیر معتبر قرار دیتے ہیں اور نہ ہی اسے نصوص کتاب وسنت پر مقدم اور ان پر حاکم وفیصل قرار دیتے ہیں بلکہ وسطیت کی راہ اپناتے ہوئے عقل سلیم کو قبول کرتے ہیں اور اس سے فہم نصوص میں مدد لیتے ہیں اور عقل فاسد کو ترک کردیتے ہیں، جبکہ ظاہری تعارض کی صورت میں نقل صحیح کو عقل پر مقدم کرتے ہیں کیونکہ عقل سلیم نقل صحیح کے قطعاً معارض نہیں ہو سکتی لہٰذا اگر کہیں تعارض ہے تو اس کا مطلب وہ عقل عقل سلیم نہیں بلکہ عقلِ فاسد ہے اور وہ غیر معتبر ہے!

۷- شفاعت کے باب میں وسطیت:

اس باب میں اہل قبلہ کے تین گروہ ہیں:

پہلا گروہ: بریلویہ وصوفیہ جیسے قبر پرست مشرکوں کا ہے، جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ان کے معظم ومکرم اولیاء و صالحین اور وہ شجر وحجر اور قبریں وغیرہ جن کی یہ عبادت کرتے ہیں وہ بروز قیامت اللہ کے حضور ان کے لئے شفاعت کریں گے اور انہیں سیدھا جنت میں داخل کردیں گے، ان کے ہاں "اثبات شفاعت " کے معاملے میں مبالغہ آرائی

ہے، چنانچہ یہ ان کے لئے بھی شفاعت کا اثبات کرتے ہیں جن کی شفاعت کے بطلان کی دلیل نصوص کے اندر صراحتاً موجود ہے۔

دوسرا گروہ: منکرین شفاعت معتزلہ وغیرہ گمراہ فرقوں کا ہے، جو اس بات کے قائل ہیں کہ بروزِ قیامت شفاعت بے سود اور غیر مؤثر ومفید ہوگی، کیونکہ قرآن میں ہے **فما تنفعهم شفاعة الشافعين** (المدثر:۴۸) کہ انہیں شفاعت کرنے والوں کی شفاعت کوئی فائدہ نہ پہنچائے گی، چنانچہ ان لوگوں نے تمام طرح کی شفاعتوں کا انکار کر دیا بالخصوص کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کرنے والوں کے حق میں ہونے والی شفاعتوں کا، حالانکہ ان کا ثبوت نصوص کتاب وسنت میں واضح انداز میں موجود ہے۔ پس ان لوگوں نے شفاعت کے انکار میں مبالغہ آرائی سے کام لیا جیسا کہ قبر پرستوں نے شفاعت کے اثبات میں افراط وغلو کا مظاہرہ کیا، پہلوں نے ایسی شفاعتوں کا انکار کر دیا جو نصوص سے ثابت ہیں اور دوسروں نے ایسی شفاعتوں کا اثبات کیا جن کی کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ ان کی نفی موجود ہے، چنانچہ ایک گروہ نے افراط سے کام لیا تو دوسرے نے تفریط سے جبکہ اہل السنہ نے وسطیت واعتدال کا مظاہرہ کیا۔

تیسرا گروہ: اہل الحدیث والسنہ کا ہے، جو کہتے ہیں کہ ان شفاعتوں پر ایمان لانا واجب ہے جو نصوصِ صحیحہ صریحہ سے ثابت ہیں، اور تمام طرح کی بدعی، باطل اور غیر ثابت شفاعتوں کا انکار وتردید کرتے ہیں، چنانچہ وہ نہ تو مطلقاً تمام طرح کی شفاعتوں کا اثبات کرتے ہیں اور نہ ہی کلی طور پر انکار کرتے ہیں، بلکہ جو نصوص سے ثابت ہیں انہیں ثابت مانتے ہیں اور نصوص نے جن کی نفی کی ہے ان کی نفی کرتے ہیں، کیونکہ شفاعت کا باب غیبیات میں سے ہے اور غیبی امور میں عقل کا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔

مشروع شفاعت کی مختلف قسمیں ہیں، بعض رسول اللہ کے ساتھ خاص ہیں جیسے شفاعت عظمیٰ، مؤمنین کے دخول جنت کے لئے شفاعت، ابو طالب کے لئے تخفیف عذاب کی شفاعت اور بعض عام ہیں جو شافع ومشفوع کے لئے اللہ کی اجازت سے انبیاء فرشتے صدیقین شہداء اور صالحین کریں گے جیسے جہنم کے مستحق مرتکب کبیرہ کے لئے شفاعت، جہنم میں داخل ہو چکے گنہگاروں کو جہنم سے نکالنے یا ان کی عذاب میں تخفیف کرنے کے لئے شفاعت، اہل اعراف کے لئے شفاعت، اہل جنت کی بلندی درجات کے لئے شفاعت وغیرہ۔

۸ - ایمان میں استثناء کے مسئلہ میں وسطیت:

اشاعرہ اور کلابیہ کہتے ہیں کہ ایمان میں استثناء واجب ہے، چنانچہ جب کوئی بندہ " أنا مؤمن " (میں مؤمن ہوں) کہے تو واجب ہے کہ اس کے بعد " إن شاء اللہ " بھی کہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں تزکیہ نفس سے منع فرمایا ہے، فرمایا: **فلا تزكوا أنفسكم** (النجم:۳۲) **ألم تر إلى الذين يزكون أنفسهم** (النساء:۴۹)، لہٰذا یہ واجب ہے کہ جب بھی کوئی "میں مؤمن ہوں " کہے ساتھ ہی ان شاء اللہ بھی کہے، تاکہ تزکیہ نفس جیسے حرام کام کا مرتکب نہ ہو، کیونکہ دل میں مضمر ایمان غیبیات میں سے ہے اور غیبی امور کے بارے میں بلا دلیل حتمی طور پر کوئی بات نہیں کہی جا سکتی!!!

اس کے برعکس ماتریدیہ، مرجئہ، معتزلہ اور جہمیہ وغیرہ کا کہنا ہے کہ ایمان میں استثناء حرام ہے، کیونکہ استثناء شک پر دلالت کرتا ہے، اور ایک مؤمن بندہ اپنے اصل ایمان کے بارے میں کیوں کر شک کرسکتا ہے؟! کیونکہ 'اصل ایمان' کے تئیں شک کرنا کفر ہے، اس بنیاد پر ایمان میں استثناء کرنا جائز نہیں ہے، بلکہ جزم ویقین کے ساتھ یہ کہنا لازمی ہے کہ میں مؤمن ہوں۔

یہ دو متناقض اقوال ہیں، ایک گروہ وجوب کی بات کرتا ہے تو دوسرا حرمت کی، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ دونوں گروہوں نے صرف ایک ایک حالت کو مد نظر رکھا ہے، چنانچہ وجوب کے قائلین نے صرف کمال ایمان کی گواہی کی حالت کو مدرکھا ہے اور یہ فیصلہ کیا ہے کہ کوئی مؤمن شخص اپنے کامل ایمان کی گواہی کیسے دے سکتا ہے کہ میں پکا اور کامل مؤمن ہوں؟! کیونکہ ان کے ہاں ایمان کے اجزاء ودرجات نہیں ہیں، چنانچہ جو ایسا کرتا ہے وہ ان کے نزدیک تزکیہ نفس جیسے قبیح وممنوع فعل کا مرتکب ہوتا ہے جو کہ حرام ہے، اس لئے اس حرام کام سے بچنے کے لئے استثناء واجب ہے، جبکہ حرمت کے قائلین نے اصل ایمان کے وجود کی گواہی کی حالت کو پیش نظر رکھا ہے، اس لئے یہ نظریہ پیش کیا ہے کہ کوئی شخص اپنے دل کے اندر "اصل الایمان" کے وجود کے بارے میں کیسے شک کرسکتا ہے؟ کیونکہ ان کے مطابق استثناء شک پر دلالت کرتا ہے اور اصل ایمان میں شک کرنا کفر ہے اس لئے اس کفر کے ارتکاب سے بچنے کے لئے استثناء حرام ہے۔

لیکن اہل السنہ نے مسئلہ کے تمام پہلوؤں کو سامنے رکھ کر نتیجہ اخذ کیا ہے، چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ استثناء نہ تو مطلقاً حرام ہے اور نہ ہی مطلقا واجب ہے بلکہ اپنے اصل کے اعتبار سے جائز ہے، لیکن اگر استثناء کرنے والا اپنے دل میں اصل ایمان کے وجود کے بارے میں مشکوک ہونے کی وجہ سے استثناء کرتا ہے تو اس کے لئے استثناء کرنا حرام ہے، اس لئے کہ ایمان کے وجود کے بارے میں شک کرنا جائز نہیں ہے اور جو چیز کسی حرام کام کا سبب بنے وہ بھی حرام ہے، لہٰذا اگر کسی کا مقصد ایمان کے وجود کے بارے میں شک کا اظہار کرنا ہو تو ایسا کرنا حرام ہے اور کرنے والا گنہگار ہے، لیکن اگر استثناء کرنے والا اپنے نفس سے تزکیہ کی نفی کرنے اور ریاکاری سے بچنے کے لئے استثناء کرتا ہے تو یہ واجب ہے، کیونکہ ریاکاری، خود پسندی اور غرور سے جان چھڑانا واجب ہے اور جس چیز کے بغیر کوئی واجب کام پورا نہ ہو وہ بھی واجب ہے، خلاصہ یہ ہے کہ استثناء کہنے کے پیچھے دل میں چھپے مقاصد کے اعتبار سے حکم بدلتا ہے، چنانچہ اگر کوئی مشکوک ہونے کی وجہ سے ان شاء اللہ کہتا ہے تو اس کے لئے ایسا کرنا حرام ہے، اور اگر "میں مؤمن ہوں" کہتے ہوئے کسی کے دل میں غرور، خود پسندی اور تزکیہ نفس کا جذبہ پیدا ہوجاتا ہے اور وہ اس محذور سے بچنے کے لئے ان شاء اللہ کہتا ہے تو اس کے لئے ان شاء اللہ کہنا واجب ہے، اور اگر کسی کے دل میں اس طرح کا کوئی احساس پیدا نہیں ہوتا نہ ہی شک اور نہ ہی عجب وغرور تو اس کے لئے استثناء کرنا نہ کرنا دونوں جائز ہے چاہے تو کرے اور نہ چاہے تو نہ کرے دونوں برابر ہے۔

(جاری)

بھارت میں بے روزگاری کے چند اسباب ووجوہات

ذیشان الٰہی منیر تیمی

عصر حاضر میں بھارت کے اندر بے روزگاری ایک نہایت ہی اہم اور پیچیدہ مسئلہ بن چکا ہے جس کی وجہ سے بہت سے لوگ موت کو گلے لگا چکے ہیں تو کچھ لوگ بھوک کی وجہ سے مجبور ہوکر اپنی عزت نفس کو کچل کر ہاتھوں میں کشکول لئے لوگوں کے سامنے دست دراز ہورہے ہیں لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر کون سے ایسے اسباب و عوامل ہیں جس نے بھارتی معیشت کی اینٹ سے اینٹ بجادی ہے؟ کیوں لوگ خودکشی کرنے پر مجبور ہورہے ہیں؟ کیوں اڑیسہ کے اندر چار، پانچ ہزار کی خاطر ماں اپنی شفقت ورحمت کو پیروں تلے روند کر اپنے نور نظر کو بیچ رہی ہیں ؟ کیوں پیسے کی خاطر لوگ جھوٹ ،فریب ،مکاری ،عیاری اور فریب کاری کرنے پر مجبور ہورہے ہیں؟۔ان تمام سوالات کا جواب بے روزگاری ہے جس کے اسباب کو جاننا اور اس کے خاتمے کے لئے فوراً اقدام کرنا ہر اس بھارتی کی ذمہ داری ہے جو ایک حساس ذہن ودماغ اور دل کا مالک ہے۔ورنہ وہ دن دور نہیں جب اس کا دردناک انجام ہمارے ملک،قوم اور سماج کو بھگتنا پڑے گا، ہماری زندگی سے چین وسکون اور امن وامان کا خاتمہ ہوجائے گا ذیل میں بے روزگاری کے چند اسباب ووجوہات تحریر کئے جارہے ہیں۔

(۱) ناقص تعلیمی نظام

بھارت میں بے روزگاری کے بہت سارے اسباب میں سے ایک نہایت ہی اہم سبب یہاں کی ناقص تعلیمی نظام ہے کیونکہ بھارت کی سرزمیں پر لاکھوں کی تعداد میں پی ایچ ڈی، پی جی اور گولڈ میڈلسٹ کے اعجاز سے متصف لوگ بھی ہاتھوں میں ڈگریاں لئے در در کی ٹھوکریں کھا رہے ہیں انہیں کوئی نوکری دینے والا نہیں ، یہ کیفیت یہاں کی ناقص تعلیمی نظام کی پول کھول رہی ہے حالانکہ ترقی یافتہ ممالک میں ایک تعلیم یافتہ شخص کو اس طرح سے دردر کی ٹھوکریں نہیں کھانے پڑتے اور وہ بلا دقت و پریشانی کے نوکری حاصل کر لیتے ہیں۔

(۲) ناقص معاشی نظام

بھارت میں بے روزگاری کے اسباب میں سے ایک سبب یہاں کی ناقص معاشی نظام بھی ہے کیونکہ ایک طرف حکومت کا دھیرے دھیرے سرکاری چیزوں کو پرائیوٹ ہاتھ میں دینا اور جی ایس ٹی جیسے قوانین سے چھوٹی صنعت کا جنازہ نکل جانا یہاں کی ناقص معاشی نظام کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

(۳) قدرتی آفات

بھارت میں بے روزگاری کی ایک وجہ قدرتی آفات

بھی ہیں کیونکہ سیلاب، آندھی اور زلزلہ کی وجہ سے بھی بہت سے کل کارخانے، کھیتیاں اور فصلوں کو نقصان ہوتا ہے جس کی وجہ سے اس سے جڑے ہوئے لوگ کثیر تعداد میں بے روزگار ہو جاتے ہیں اس لئے ہماری سرکار کو چاہئے کہ وہ کوئی ایسی پالیسی لائے جس کے ذریعہ اس طرح کے حادثات کے شکار افراد کی مدد اور تعاون کی جا سکے۔

(۴) نئی مشینوں کی ایجاد

نئی مشینوں کی ایجاد کی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ پہلے جس کام کو سو آدمی مل کر کرتے تھے آج اسی کام کو ایک مشین چند منٹوں میں کر لے رہی ہے جس کی وجہ سے بے روزگاری عام ہو رہی ہے اور ہر کل کارخانے والے کم وقت میں زیادہ کمانے اور چیزوں کو زیادہ سے زیادہ مارکیٹ میں لانے کے لئے مشینوں کا استعمال کر رہے ہیں جس کا اثر بے روزگاری کی صورت میں غریبوں پر پڑ رہا ہے۔

(۵) غربت

بے روزگاری کے اسباب میں سے ایک سبب غربت بھی ہے کیونکہ بہت سے غریب ولاچار بچے ذہن ودماغ اور عقل وشعور رکھنے کے باوجود بھی اس مقام پر نہیں پہنچ پاتے جس کے وہ حقدار ہیں نتیجتاً وہ بے روزگاری کی ذلت سر پر لیئے بھٹکتے رہتے ہیں اور دردر کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور ہوتے ہیں۔

(۶) کرپشن

بھارت میں کرپشن اور رشوت عام ہے ہر سرکاری دفتر، بلاک، اسکول، کالج، ہاسپٹل اور ڈاک خانہ میں کرپشن کی آگ لگی ہوئی ہے بغیر پیسہ دیئے کوئی کام کرا لینا ہمالیہ پہاڑ کو سر پر اٹھا لینے کے مترادف ہے جس کی وجہ سے بہت سے لوگ جو حقیقی حقدار ہوتے ہیں اس کی جگہ پر پیسہ لے کر کسی دوسرے کو بیٹھا دیا جاتا ہے مثلاً تعلیم کے میدان میں معلم جیسے حساس اور اہم ذمہ داری کو پیسہ کے ذریعہ اوپر دیا جاتا ہے تو جن کے پاس مال ودولت کی فراوانی ہوتی ہے وہ لوگ پیسہ پھینک کر معلم بن جاتے ہیں اور آنے والی نسلوں کو بگاڑنے اور ان کا مستقبل برباد کرنے کا فریضہ انجام دیتے ہیں اس لئے ہماری حکومت، ہمارے رہبر اور ہمارے لیڈران کو اس جانب توجہ دینے کی ضرورت ہے تاکہ جو حقیقی حقدار ہے ان کو اس میدان میں بہتر کارنامہ انجام دینے کا موقع ملے۔

(۷) امراء وسلاطین کے بچوں کی سستی وعیاشی

بے روزگاری کے اسباب میں سے ایک نہایت ہی اہم سبب یہ بھی ہے کہ امراء وسلاطین کے بچے کام سے جی چراتے ہیں وہ سوچتے ہیں کی باپ دادا کی جائیداد اور مال و دولت ان کے لئے کافی ہے اس لئے کسی کے سامنے وہ یہ کہنے میں ذرہ برابر بھی شرم نہیں کرتے کہ ان کے پاس بہت سارا مال ودولت ہے اس لئے وہ بے روزگار بھٹک رہے ہیں اور موج ومستی کر رہے ہیں اسی نہج پر ان کی زندگی جاری وساری رہتی ہے حتی کہ جب ان کا پدرم سلطان بود کا نشہ ٹوٹتا ہے تب ان کی دنیا اندھیری ہو چکی ہوتی ہے ان کی پیشانی پر بے روزگاری کی مار صاف دکھ رہی ہوتی ہے اور ان کی آنکھیں کسی نوکری کی تلاش کر رہی ہوتی ہیں لیکن گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں کی زد میں وہ پستے چلے جاتے ہیں آخر میں گزارا کرنے کے لئے دست دراز ہونے تک کی نوبت

آجاتی ہے۔

(۸) خواتین کو ریزرویشن دینا

عصر حاضر میں بھارت مغرب کی تقلید میں بہت آگے بڑھ رہا ہے ہر میدان میں مغرب کی نقالی کرنا اپنی ترقی کا زینہ اور مال ودولت کا سفینہ تصور کررہا ہے جس کی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ جہاں ایک طرف خواتین مرد کے شانہ بشانہ چلنے لگیں تو وہیں دوسری طرف حکومت خواتین کو نوکری میں 50 فیصد ریزرویشن دے کر بے روزگاری کو بڑھاوا دے رہی ہے کیونکہ آزادی سے قبل عام طور پر خواتین گھر کا کام کیا کرتی تھیں اور مردوں کی ذمہ داری نوکری کرنی ہوتی تھی مطلب صاف ہے کہ ہر طرف اور ہر میدان میں مرد ہی مرد ہوا کرتے تھے اس لئے عام طور پر مرد بے روزگار نہیں ہوا کرتے ہیں لیکن آزادی کے بعد خواتین کو گھر سے نکال کر فیکٹریوں اور کارخانوں میں کام کرنے کی اجازت دی جانے لگی اور دھیرے دھیرے ہر میدان میں خواتین کے لئے مخصوص سیٹیں ریزرو کردی گئیں جس کی وجہ سے ایسا ہوا کہ ایک ہی گھر سے شوہر، بیوی، ساس اور بہو کو نوکری مل گئی تو دوسری طرف کسی کے حصے میں ایک بھی نوکری نہ آئی مجبورا بے روزگاری کی زندگی گزارنی پڑرہی ہے۔

(۹) لوگوں کا محنت سے جی چرانا اور نوکری ڈھونڈنا

بے روزگاری کے اسباب میں سے ایک سبب لوگوں کا محنت سے جی چرانا اور نوکری ڈھونڈنا بھی ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ یہاں کے نوجوان پڑھ لکھ کر اس انتظار میں بیٹھے رہتے ہیں کہ انھیں کوئی ایک اچھی سی نوکری مل جائے۔انہیں محنت ومزدوری کرنے میں شرم آتی ہے اور وہ سوچتے ہیں کہ لوگ طعنے دیں گے کہ اتنا پڑھ لکھ کر وہی کام کررہے ہو جو ایک جاہل کرتا ہے حالانہ محنت کرکے کمانے اور کھانے میں کسی طرح کی شرم نہیں آنی چاہئے کیونکہ انبیاء کرام بھی محنت ومزدوری کرکے اپنی زندگی گزارتے تھے۔

(۱۰) سرکار کی عدم توجہی

آج بھارت میں بے روزگاری کی وجہ سرکار کی عدم توجہی بھی ہے کیونکہ اگر ہماری حکومت چاہتی تو بہت آسانی سے بڑے پیانے پر بھارت کے کونے کونے میں کارخانے اور فیکٹریاں ڈال سکتی ہیں جس کی وجہ سے لاکھوں کو نوکری کرنے کا موقع بہت آسانی سے مل جائے گا مثال کے طور پر بچوں کے کھیلنے کا ساز وسامان چین اور جاپان سے منگوایا جاتا ہے اگر حکومت چاہتی تو کچھ ایسی فیکٹریاں بھارت میں کھول سکتی تھی جو بچوں کا کھلونا تیار کرتی اور ان فیکٹریوں میں کام کرنے کے لئے بھارت کے لوگوں کو تربیت دی جاتی اور انہیں ان فیکٹریوں میں کام کرنے کے مواقع دیئے جاتے تو اس سے حکومت اور عوام دونوں کا بہت زیادہ فائدہ ہوتا۔

(۱۱) بچوں کا موبائل میں مست رہنا

آج کا زمانہ سائنس وٹکنالوجی کا زمانہ ہے سائنس نے جہاں ایک طرف بہت ساری ایجادات دنیا کے سامنے پیش کیا ہے وہیں دوسری طرف موبائل فون کی ایجاد بھی سائنس کی ایک حیرت انگیز ایجاد ہے۔موبائل فون کے جہاں ایک طرف ڈھیر سارے فوائد ہیں وہیں دوسری طرف بہت سے نوجوان اس میں اس طرح مست ہوئے کہ انہیں اتنا بھی شعور نہیں آیا کہ انہیں اچھی تعلیم سے آراستہ ہونا اور

بہتر مستقبل بنانا ہے۔اس وقت نوجوان موبائل کے نشہ میں جھوم رہے ہیں لڑکیوں سے گھنٹوں بات کرنا، فیس بک چلانا، ٹک ٹاک بنانا، واٹس ایپ پر گروپ گروپ کھیلنا اور یوٹیوب سے فلمیں اور گانے سننا ان کی زندگی کا سب سے بڑا محبوب مشغلہ بن چکا ہے جس کی وجہ سے انہیں اندازہ ہی نہیں ہو پاتا کہ وہ بے روزگار ہیں اور اپنے والدین کی تمناؤں اور اپنی خوبصورت مستقبل کے قاتل ہیں۔

(۱۲)جہالت

بے روزگاری کے اسباب میں سے ایک سبب جہالت بھی ہے کیونکہ بغیر تعلیم کے کہیں کوئی کام ملنا بہت مشکل کام ہے آج کوئی بھی شخص کہیں بھی نوکری کرنے کے لئے جائے تو سب سے پہلے اس کی تعلیمی لیاقت و قابلیت کے متعلق سوال کیا جاتا ہے اور جب یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ جاہل ہے تو پھر اسے یہ کہہ کر وہاں سے بھگا دیا جاتا ہے کہ یہاں جاہلوں کے لئے کوئی کام نہیں۔

(۱۳)مہارت کی کمی

آج بھارت کے اندر بے روزگاری کا ایک سبب مہارت کی کمی بھی ہے کیونکہ کسی بھی کام میں مہارت سے پر افراد کو بہت جلد کام مل جاتا ہے جب کہ بغیر مہارت کے کام ملنا بہت مشکل ہے مثال کے طور پر کمپیوٹر کو ہی لے لیجئے آج اگر آپ اس میں ماہر ہیں تو بلا کسی پریشانی کے آپ کو آسانی کے ساتھ کام مل جائے گا۔

(۱۴)غیر مستقل مزاجی

عصر حاضر میں بے روزگاری کے اسباب میں سے ایک سبب غیر مستقبل مزاجی بھی ہے کیونکہ بہت سے نوجوانوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ دو مہینے کوئی کام کرتے ہیں تو دوسرے مہینہ کے بعد کوئی اور کام ڈھونڈنے لگتے ہیں مطلب یہ کہ وہ بہت جلد ترقی کے منازل طے کرنا چاہتے ہیں اور کوئی آسان راستہ کی تلاش کی وجہ سے وہ غیر مستقل مزاجی کے مالک بن بیٹھتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انھیں آسان راستہ نہیں مل پاتا اور بے روزگار ہوکر گھر پر بیٹھ جاتے ہیں۔

(۱۵)ملکوں کی باہمی جنگیں

آج بھارت ملکوں کے باہمی جنگوں سے گھرا ہوا ہے کبھی پاکستان تو کبھی چین سے جنگ اور سرحدی حدود پر تکرار کی وجہ سے بھارت اپنی ڈی جی پی کا بہت بڑا حصہ بم وبارود خریدنے اور اسلحہ و بندوق کو جمع کرنے کے لئے صرف کررہا ہے جس کی وجہ سے بم و بارود اور اسلحہ و بندوق بیچنے والے ممالک تو مالدار ہو رہے ہیں لیکن خریدنے والے ممالک جس میں بھارت بھی ہے کی حالت بد سے بدتر ہو رہی ہے اور اس کا اثر ڈائرکٹ لوگوں کے روزگار پر پڑ رہا ہے۔

(۱۶)خالق ورازق کی نافرمانیاں

اگر اسلامی اعتبار سے دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالی کی نافرمانی کی وجہ سے بھی معیشت ہلاک و برباد ہوتی ہے تو بھارت بھی اس کی زد میں ہے کیونکہ بھارت میں لاتعداد دیوی اور دیوتاؤں کو پوجا جاتا ہے غیر اللہ سے مدد و نصرت کی درخواست کی جاتی ہے انہیں سے ہر پریشانی کا حل کرنے کے لئے گوہار لگائی جاتی ہے تو اس کی وجہ سے اس کا اثر بھارت کے روزگار پر بھی پڑ رہا ہے۔

(۱۷)صرف بڑے فائدے کو ترجیح دینا

بھارت میں بے روزگاری کے اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی ہے کہ یہاں کے لوگ صرف بڑے فائدے کو ترجیح دیتے ہیں گھنٹوں میں لاکھوں کمانے کی فکر دامن گیر ہوتی ہے اس لئے چھوٹے فائدے کو لوگ ترجیح نہیں دیتے اور یہ بھول جاتے ہیں کہ بوند بوند کر کے ہی تالاب بھرتا ہے جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بے روزگاری ان کے دروازے پر دستک دینے لگتی ہے۔

(۱۸)مایوسی

انسان کو کبھی بھی مایوسی جیسی صفت کو اپنی زندگی سے نہیں جوڑنی چاہئے کیونکہ اس کی وجہ سے ایک شخص کا تابناک مستقبل تاریک ہوجاتا ہے مثال کے طور پر ایک لڑکا بہت جہد وکوشش کے بعد کسی کام میں فیل ہوجاتا ہے تو وہ مایوس ہوجاتا ہے کہ وہ کام ہم سے نہیں ہوپائے گا اس لئے اس کام کو وہ چھوڑ کر بے روزگار بن کر گھر پر بیٹھ جاتا ہے یہ بیماری بھارت کے نوجوانوں میں عام طور پر پائی جاتی ہے

(۱۹)انتہاء پسندی اور عدم تحفظ

بھارت میں بے روزگاری کے بہت سارے اسباب میں سے ایک سبب انتہاء پسندی اور عدم تحفظ بھی ہے کیونکہ بہت سے لوگوں کے متعلق سنا جاتا ہے کہ ان کے ماتحت لوگ پر ظلم کیا جاتا ہے، کچھ لوگوں کی انتہاء پسندی کا عالم یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے مذہب کے علاوہ دوسرے مذہب کے لوگوں کو نہ تو ملازمت میں شریک ہونے دیتے ہیں اور نہ ہی ان سے کسی سامان کو خریدتے ہیں۔ کچھ لوگ مذہب کے نشے میں چور ہوکر کسی مخصوص دین و دھرم کے ماننے والے لوگوں کی دوکان کو نذر آتش کر دیتے ہیں جس کی وجہ سے دوکاندار بے روزگار ہوکر گھر بیٹھ جاتے ہیں۔

مذکورہ بالا افکار ونظریات، دلائل و بیانات اور نکات و مشاھدات کو مدنظر رکھنے کے بعد یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ اگر ہماری حکومت ، ہمارے ملک کے افراد اور اعلی ذہن و دماغ کے مالک اشخاص ان وجوہات کے خاتمے کے لئے بیدار نہیں ہوئے تو وہ دن دور نہیں کہ بھارت کی سرزمین پر بھوک سے مرنے والوں کی تعداد میں بہت زیادہ اضافہ ہوگا۔ بہت سے لوگ دانے دانے کو محتاج ہو جائیں گے ،لوٹ وکھسوٹ لوگوں کے رگ رگ میں بس جائے گی، سماج ومعاشرہ میں بدامنی اور بے چینی عام ہوجائے گی، خودغرضی اور رشوت کی بنا پر لوگوں کا جینا محال ہونے لگے گا اس لئے ہر شخص مکمل ایمانداری سے ان اسباب و وجوہات کو ختم کرنے کے لئے کوشش کرے۔ تب جا کر بھارت پھر سے سونے کی چڑیاں بن سکتا ہے۔

☆☆☆

حدیث المُوتان (قیامت کی چھ نشانیوں والی روایت)

تحریرودراسة: عبدالعلیم بن عبدالحفیظ سلفی (سعودی عرب)

(تیسری قسط)

(بقیہ تخریج حدیث الموتان)

- الإمام أبوالحسن الربعی ت ٤٤٤هـ:

(دیکھئے: فضائل الشام ودمشق/ 118، 119)، علامہ البانی نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے، دیکھئے: تخریج أحادیث فضائل الشام ودمشق للربعی/30۔ (اس کے کچھ نسخوں میں 'قعاص الغنم' اور کچھ نسخوں میں 'عقاص الغنم' ہے)۔

-الإمام ابن حبان: (دیکھئے: صحیح ابن حبان: 15/66)۔

- الإمام أحمد بن حنبل:

(دیکھئے: مسند احمد6/25:، علامہ البانی نے مسند احمد کی اس سند کو امام مسلم کی شرط پر قرار دیا ہے، دیکھئے: تخریج أحادیث فضائل الشام ودمشق/30۔ (نیز دیکھئے: مسند احمد: 6/27) ، محمد بن ابی محمد کی جہالت کی وجہ سے یہ سند ضعیف ہے۔امام ابن حبان نے انہیں اپنی 'ثقات' میں ذکر کیا ہے، بسا اوقات ان کی متابعت کی جاتی ہے اسی طرح اس کی سند میں ابومعاویہ ہشیم بن بشیر السلمی الواسطی البغدادی ہیں جو ثقہ تھے لیکن بہت زیادہ تدلیس کرتے تھے۔سنہ 104ھ میں ولادت اور سنہ 183ھ میں وفات ہوئی۔(دیکھئے: سیر أعلام النبلاء: 8/287 اور تہذیب التہذیب: 11/59)۔ (نیز دیکھئے: مسند احمد: 6/22)۔ (نیز دیکھئے: مسند احمد: 6/24۔مختصرا)۔ اس روایت میں ہے:"أتیت رسول الله صلى الله عليه و سلم بتبوك من آخر السحور وهو فی فسطاط أو قال قبة من أدم"۔میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تبوک میں صبح کے آخری وقت میں آیا اس وقت آپ ایک چمڑے کے خیمہ میں تھے۔اس روایت میں بھی 'وضوء ا مکینا' کا لفظ ہے)۔

-الإمام أبوبکرالبزار ت ۲۹۲ هـ:

دیکھئے: (مسند البزار: 7/ 177 - رقم/ 2742۔

- الإمام أبو بکر بن أبی عاصم ت ۲۸۷هـ:

(دیکھئے: الآحاد والمثانی/ 1293 -1286) ابن ابی عاصم کی بعض روایت اور طبرانی کی مسند الشامیین کی ایک روایت میں 'قعاص' کی جگہ 'قصاص' ہے۔ابن کثیر نے بھی معجزات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر معاذ بن جبل کی روایت میں 'قصاص' کا لفظ ذکر کیا ہے۔(دیکھئے: معجزات النبی صلی اللہ علیہ وسلم لابن کثیر ص 273۔البدایۃ والنہایۃ: 6/ 226 ۔(بدایۃ کے اندر کئی مقامات پر 'قصاص' کا لفظ ہے) ۔نیز اس کے بعض الفاظ میں: 'فَسَمِعَ رُکْنَ

رِجْلِي' ہے۔اسی طرح 'بیت المقدس' کی جگہ 'إِيلِيَا' کا ذکر ہے، مسند الشامیین اور المعجم الکبیر کی بعض روایتوں میں بھی 'إِيلِيَا' کا ذکر ہے۔ الآحاد والمثانی/ 1286 کی سند میں کئی باتیں قابل ملاحظہ ہیں:

- ابوعبدالله محمد بن مصفی بن بهلول الحمصی صدوق تو تھے لیکن اوہام کے شکار تھے، اور تدلیس التسویۃ کیا کرتے تھے۔ سنہ 246ھ میں مکہ میں وفات ہوئی۔(سیر أعلام النبلاء: 12/ 94 ، تہذیب التہذیب: 9/460)۔

-ابویحمد بقیه بن ولید بن صائد بن کعب بن حریز الحمصی الحمیری المیتمی الکلاعی صدوق ہیں لیکن کثیر التدلیس ہیں امام بیہقی اور ابوحاتم الرازی نے انہیں لائق احتجاج نہیں مانا ہے امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں: إذا حدث عن قوم ليسوا بمعروفين فلا تقبلوه، وإذا حدث بقية عن المعروفين مثل بحير بن سعيد وغيره قبل "۔اسی معنی کی بات یحییٰ بن معین اور امام حاکم نے کہی ہے۔(سیر أعلام النبلاء: 8/ 518، تہذیب التہذیب: 1/ 473 ، تاریخ دمشق: 10/328)۔

- ابو عبدالله عبدالرحمن بن ثابت بن ثوبان العنسی الشامی الدمشقی۔ صدوق ہیں لیکن خطا اور اختلاط کے شکار ہوگئے تھے، ان پر قدریت کا الزام ہے، سنہ 75ھ میں ولادت اور سنہ 165ھ میں وفات ہوئی۔(تاریخ بغداد 10/ 222 ، وشذرات الذهب 1/260، ومیزان الاعتدال 2/ 551 ، والوافی بالوفیات 18/ 128، وسیر أعلام النبلاء 7/ 313، وتہذیب التہذیب: 6/ 150)۔

-عبدالله بن الدیلمی الحمیری، عبدالله بن دیلم بن هوشع کے نام سے معروف ہیں، مجہول الحال ہیں۔ لیکن ابن حبان ثقات میں لکھتے ہیں: عَبْد اللَّه بن الديلمي هُوَ عَبْد اللَّه بن دَيْلَم بْن هوشع الْحِمْيَرِي لِأَبِيهِ صُحْبَة عداده فِي أهل مصر رَوَى عَنْهُ ربيعَة بن يزِيد الدِّمَشْقِي وَأهل فلسطين (دیکھئے: الثقات لابن حبان: 5/ 38 رقم/ 3741)۔ ان کے والد کے سلسلے میں لکھتے ہیں: دَيْلَم بْن هوشع الْحِمْيَرِي لَهُ صُحْبَة وَهُوَ الَّذِي يُقَال لَهُ فَيْرُوز الديلمي روى عَنهُ ابْنه عَبْد اللَّه الديلمي وَأهل مصر مَاتَ بِمصْر (الثقات: 3/ 118 رقم/393) ۔

واضح رہے کہ ثابت بن ثوبان کے اساتذہ میں عبداللہ بن فیروز الدیلمی بھی ہیں جو عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں جو شامی، تابعی اور ثقہ ہیں، ان کی کنیت ابوبسر یا ابوبشر ہے۔ انہوں نے بعض مرسل روایتیں کی ہیں جس کی وجہ سے کچھ لوگوں کو ان کے صحابی ہونے میں اشتباہ ہے۔(دیکھئے: الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ: 5/ 157) ، ان کے سلسلے میں ابن حبان لکھتے ہیں: عَبْد اللَّه بن فَيْرُوز الديلمي كُنْيَتُهُ أَبُو بشر يروي عَن أَبِيه روى عَنهُ يحيى بْن عَمْرو الشَّيْبَانِيّ كَانَ يسكن بَيت الْمُقَدّس (الثقات: 5/ 23 رقم/ 3651)۔ اغلب ہے کہ اس روایت میں عبداللہ بن

فیروز ہی ہیں۔ واللہ اعلم۔

(نیز دیکھئے: الآحاد والمثانی/ 1287)۔ اس کی سند میں ابوسعید عمرو بن عثمان بن سیار الکلابی الرقی، ان کی کنیت ابوعمرو اور ابوعمر بھی ہے، ضعیف الحدیث اور متروک ہیں، یہ نابینا ہوگئے تھے، ابوحاتم رازی کے بقول: 'یہ اپنی یادداشت سے لوگوں سے منکر روایتیں بیان کرتے تھے'، سنہ 217ھ میں وفات ہوئی۔ (تہذیب التہذیب: 8/76)۔

(نیز دیکھئے: الآحاد والمثانی/ 1291)۔ اس کی سند میں ابوایوب سلیمان بن سلمہ بن عبدالجبار الخبائری الحمصی، متروک الحدیث ہیں، امام ذہبی کے بقول یہ وضع سے متہم ہیں۔ (لسان المیزان: 4/155، تاریخ دمشق: 22/321)۔ اس کے الفاظ میں ہے: اعْقُدْ عَلَى سِتَّةٍ بَيْنَ يَدَيِ السّاعَةِ۔

(نیز دیکھئے: الآحاد والمثانی/ 1292)۔ اس کے الفاظ میں ہے: أَتَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِي نِبَالِهِ۔

(نیز دیکھئے: الآحاد والمثانی/ 1293)۔ اس کی سند میں ابوالفضل عبیداللہ بن عبدالرحمٰن بن رافع بن خدیج بن رافع بن عدی بن یزید بن جشم الانصاری الاوسی ہیں، ان کا نام عبیداللہ بن عبداللہ اور عبداللہ بن عبدالرحمٰن بھی ذکر کیا جاتا ہے۔ مستور، مجہول الحال ہیں سنہ 111ھ میں وفات ہوئی۔ (تہذیب التہذیب: 7/27) اور علیّ العُقَیلیّ مجہول الحال ہیں۔

-الإمام نعيم بن حماد المروزي:

(دیکھئے: الفتن لنعیم بن حماد/ 72)، اس روایت میں چھٹی علامت کا ذکر نہیں ہے نیز بعض نسخوں میں عوف بن مالک سے روایت کرنے والے خالد بن معدان کی جگہ مَکْحُولٍ کا ذکر ہے، (دیکھئے: طبع مکتبۃ التوحید 1412ھ تحقیق: سمیر أمین الزہیری)۔

(نیز دیکھئے: الفتن/ 73)، اس کے الفاظ میں وَافْتِتَاحُ مَدِينَةِ الْكُفْرِ۔ "اور کفر کے ایک شہر کی فتح ہے۔

(اور دیکھئے: الفتن/ 74)، اس کے الفاظ ہیں: سِتٌّ بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ، أَوَّلُهُنَّ وَفَاتِي، ثُمَّ فَتْحُ بَيْتِ الْمَقْدِسِ، ثُمَّ مَنْزِلٌ تَنْزِلُهُ أُمَّتِي مِنَ الشَّامِ، ثُمَّ فِتْنَةٌ تَقَعُ فِيكُمْ لَا يَبْقَى بَيْتُ عَرَبِيٍّ إِلَّا دَخَلَتْهُ، ثُمَّ تُصَالِحُكُمُ الرُّومُ۔ قیامت سے قبل چھ علامتیں ہوں گی: ان میں پہلی میری وفات، پھر بیت المقدس کی فتح، پھر ملک شام میں ایک جگہ جہاں میری امت اترے گی، پھر ایک ایسا فتنہ تم میں ظاہر ہوگا جو ہر عربی کے گھر میں داخل ہوگا، اور پھر رومی تم سے صلح کریں گے۔ اس روایت میں بھی چھٹی علامت کا ذکر نہیں ہے۔

-الإمام أبو عمرو الداني ت ٤٤٤هـ:

(دیکھئے: السنن الواردۃ فی الفتن/ 427)، اس کی سند میں عبداللہ بن عمرو بن مردان المکتب مجہول الحال ہیں۔ نیز ابوعبداللہ فضل بن عبیداللہ بن فضل بن صالح الہاشمی المقدسی القرشی بھی مجہول الحال ہیں۔

-الإمام أبو بكر بن أبي شيبة:

(دیکھئے: المصنف :8/ 635)، اس کی سند میں ہشام بن یوسف السلمی الحمصی الشامی مقبول راوی ہیں۔ ابن حبان نے ان کو ثقات میں ذکر کیا ہے، یحیی بن معین کہتے

ہیں کہ میں انہیں نہیں جانتا، بعض محققین نے انہیں مجہول الحال قرار دیا ہے۔(دیکھئے: الثقات لابن حبان: 5/ 503، وتقریب التھذیب/7310)۔

-الإمام أسلم بن سهل بن أسلم بن حبيب الرزّاز الواسطی، أبو الحسن، بَحْشَل ت ۲۹۲ھ:

(دیکھئے: تاریخ واسط/ص53-52)۔

-الإمام أبی الحسين أحمد بن جعفر بن محمدالمعروف بابن المنادی ت 336ھ:

(دیکھئے: کتاب الملاحم/ص 141-140)، ابن المنادی کی اس روایت میں کئی الفاظ کا اضافہ اور فرق ہے، جیسے: اس کے الفاظ میں یہ اضافہ ہے: فـإذا كـان ذلك فـقـد أتـاكم مـاتوعدون -یعنی جب ایسا ہوگا تو قیامت واقع ہوجائیگی جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔اسی طرح 'بيت من العرب' کی جگہ'بيتُ مسلمٍ' ہے اور : وَالـرَّابِـعَةُ: أن تـفـتح لكم الدنياحتَّى إِنَّ الرَّجُلَ لَيُـعْطَى مِائَةَ دِينَارٍ فَيَظَلَّ شاخصا كأن لم يعط شيـئـا ۔ اور چوتھی تمہارے لئے دنیا اس قدر کھول دی جائیگی کہ اگر کسی کو سودینار بھی دیا جائے گا تو وہ اسے کم تر سمجھ کر اس سے راضی نہ ہوگا جیسے اسے کچھ دیا ہی نہیں گیا ہے (بعض نسخوں میں 'ساخصا' کا لفظ ہے جوخطا ہے)۔شاخص ایسے آدمی کو کہا جاتا ہے جسے کچھ دیا جائے تو وہ اس سے تکلیف محسوس کرتا ہے۔(دیکھئے: لسان العرب 7/: 51)۔

-الإمـام أبـو بـكـر مـحـمـد بـن هـارون الرُّويانی ت ۳۰۷ھ:

(دیکھئے: مسند الرویانی/598) ، اس کی سند میں ابوصالح سعید بن عبداللہ الحمدانی حفاظ حدیث میں سے تھے، بعض لوگوں نے ان کو مجاھیل میں ذکر کیا ہے۔(تاریخ الإسلام للذھبی: 19/ 106) ۔نیز ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن جعفر بن غیلان القرشی المعیطی الرقی ثقہ تھے لیکن آخر وقت میں اختلاط کے شکار ہوگئے تھے اور یہ اختلاط وفات تک باقی رہا، امام مزی کے بقول سنہ 216ھ میں نابینا ہوگئے تھے اور سنہ 218ھ میں اختلاط کے شکار ہوگئے تھے۔سنہ 220ھ میں ان کی وفات ہوئی۔(تقریب التھذیب/3253، تھذیب التھذیب 5:/ 173 ، والاغتباط بمن رمی من الرواۃ بالاختلاط لسبط ابن العجمی/ص186)۔

اسی طرح اس روایت میں اسحاق بن راشد اور عبدالحمید بن عبدالرحمٰن کے درمیان امام زھری کا ذکر نہیں ہے، جبکہ امام طبرانی، امام ابن ابی عاصم، امام حاکم اور امام ابونعیم کی روایتوں میں ان کا ذکر موجود ہے۔

- الإمـام أبـوعبد الله محمد بن عبد الله الحاكم النيسابوری:

امام حاکم نے اس روایت کو مستدرک کے اندر کئی طرق سے ذکر کیا ہے: (دیکھئے: مستدرک علی الصحیحین: 4/ 419)، وہ لکھتے ہیں: 'یہ حدیث شیخین (امام بخاری اور امام مسلم) کی شرط کے مطابق صحیح ہے، اور اس سیاق میں شیخین نے روایت نہیں کیا ہے' اور امام ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔اسی روایت میں امام حاکم آگے نقل کرتے ہیں: قـال الـولید بن مسلم، فذاكرناهذاالحديث

شيخا من شيوخ أهل المدينة قوله ":ثم فتح بيت المقدس"، فقال الشيخ: أخبرنى سعيد المقبرى عن أبى هريرة رضى الله أنه كان يحدث بهذه الستة عن رسول الله صلى الله عليه وآله ويقول :وفيه":عمران بيت المقدس ۔ولید بن مسلم کہتے ہیں کہ مدینہ کے ایک شیخ سے ہم نے اس حدیث میں مذکور "ثم فتح بیت المقدس" کے بارے میں مذاکرہ کیا تو شیخ نے کہا کہ: مجھ سے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے سعید المقبری نے بیان کیا کہ وہ ان چھ نشانیوں کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اس کے اندر 'عمران بیت المقدس' کے الفاظ ہیں۔پھر اس روایت سے متعلق کہتے ہیں:"یہ حدیث شیخین کی شرط کے مطابق صحیح ہے،حالانکہ ان دونوں نے اسے اس سیاق وسباق میں روایت نہیں کیا ہے"۔(دیکھئے:المستدرک 4:/ 419)۔

حافظ ابن حجر نے بھی اس قول کو اسماعیلی کے حوالے سے نقل کیا ہے۔(دیکھئے:فتح الباری: 6/ 278)۔

(نیز دیکھئے:المستدرک 3:/547 - 546)امام ذہبی نے اس روایت پر سکوت اختیار کیا ہے۔اس کی سند میں ابومحمد علاء بن ہلال بن عمر بن ہلال بن ابی عطیۃ الباہلی الرقی مولی قتیبہ بن مسلم الباہلی حددرجہ ضعیف اور منکر الحدیث ہیں، بلکہ ابن زریع سے ان کی موضوع روایتیں بھی ہیں سنہ 150ھ میں ولادت اور سنہ 215ھ میں وفات ہوئی۔(تھذیب الکمال: 22/ 544)۔

(نیز دیکھئے:المستدرک 4:/ 423- 422)،

امام حاکم نے اس کی تصحیح کی ہے اور امام ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔اس روایت کے اندر ہے: وهدنة تكون بينكم وبين بنى الأصفر يأتونكم على ثمانين غاية كل غاية اثنا عشر ألفا ثم يغدرون بكم حتى حمل امرأة"۔پھر صلح جو تمہارے اور بنی الاصفر (نصارائے روم) کے درمیان ہوگی وہ اسی جھنڈوں کے ساتھ تمہاری طرف آئیں گے ہر جھنڈے کے ماتحت بارہ ہزار فوج ہوگی، پھر وہ تم سے ایک عورت کی مدت حمل کے وقت تک (یعنی نو ماہ ٹھہر کر) دغا کریں گے"۔اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد امام حاکم آگے لکھتے ہیں:قَالَ: فَلَمَّا كَانَ عَامَ عَمَوَاسَ زَعَمُوا أَنَّ عَوْفَ بْنَ مَالِكٍ قَالَ لِمُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ: إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ لِي: "اعْدُدْ سِتًّا بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ "فَقَدْ كَانَ مِنْهُنَّ الثَّلَاثُ وَبَقِيَ الثَّلَاثُ، فَقَالَ مُعَاذٌ: "إِنَّ لِهَذَا مُدَّةً وَلَكِنْ خَمْسٌ أَظَلَّتْكُمْ مَنْ أَدْرَكَ مِنْهُنَّ شَيْئًا ثُمَّ اسْتَطَاعَ أَنْ يَمُوتَ فَلْيَمُتْ: أَنْ يَظْهَرَ التَّلَاعُنُ عَلَى الْمَنَابِرِ، وَيُعْطَى مَالُ اللَّهِ عَلَى الْكَذِبِ وَالْبُهْتَانِ وَسَفْكِ الدِّمَاءِ بِغَيْرِ حَقٍّ، وَتُقْطَعُ الْأَرْحَامُ، وَيُصْبِحُ الْعَبْدُ لَا يَدْرِي أَضَالٌّ هُوَ أَمْ مُهْتَدٍ "۔راوی کہتے ہیں:جب عمواس والا سال تھا تو لوگوں کے مطابق عوف بن مالک رضی اللہ عنہ نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے بیان کیا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا ": قیامت سے قبل چھ چیزوں کو شمار کرلو"۔تین تو ان میں سے واقع ہو چکے ہیں اور تین باقی ہیں۔تو معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا:

"ان کے آنے میں تو ابھی وقت ہے، لیکن پانچ تم پر سایہ فگن ہیں، جو ان میں سے کسی کا شکار ہوا اور مر سکتا ہے تو مر جائے: (وہ پانچ ہیں): منبروں پر کھلے عام لعنت وملامت کئے جائیں گے، ناحق جھوٹ، بہتان اور خونریزی کی بنیاد پر اللہ کا مال دیا جائے گا، رشتہ داریاں توڑ دی جائیں گی، اور آدمی کی حالت یہ ہوگی کہ اسے پتہ ہی نہیں ہوگا کہ وہ صحیح راستے پر ہے یا گمراہ ہو چکا ہے"۔ (بعض روایتوں میں "أَظَلَّنَكُمْ" کی بجائے "أَظَلَّتْكُم" ہے۔)

اس روایت کی سند میں ابو العلاء سعید بن ابی ھلال اللیثی المدنی المصری ہیں جنہیں امام بیہقی، ابن عبدالبر، خطیب بغدادی، دارقطنی ابن خزیمہ اور واقدی نے ثقہ کہا ہے جبکہ ابن حزم نے غیر قوی قرار دیا ہے امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں: "ما أدری أی شیء یخلط فی الأحادیث "، حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: "صدوق لم أر لابن حزم فی تضعیفه سلفا إلا ما حکی عن أحمد أنه اختلط، مرة ولم یصح عن أحمد تضعیفه، واحتج به الجماعة، وشذ الساجی فذكره فی الضعفاء، وتبعه أبو محمد بن حزم ولم یصب فی ذلك "۔(دیکھئے: سیر أعلام النبلاء: 6/ 303، تہذیب التہذیب: 4/ 94)۔"یہ صدوق ہیں میں نے ابن حزم سے قبل کسی کو ان کی تضعیف کرتے ہوئے نہیں پایا سوائے اس کے کہ امام احمد سے بیان کیا جاتا ہے کہ وہ ایک بار اختلاط کے شکار ہو گئے تھے، اور امام احمد سے ان کی تضعیف کا قول صحیح نہیں ہے، ان کو ایک جماعت نے قابل حجت مانا ہے۔امام ساجی نے شذوذ اختیار کرتے ہوئے ان کا ذکر ضعفاء کے اندر کیا ہے اور ابو محمد بن حزم نے ان کی متابعت کی اور اس معاملے میں ان کا موقف درست نہیں ہے"۔

(واضح رہے کہ: مستدرک کے اکثر نسخوں میں ان کا نام 'سعید بن ہلال' ہے جبکہ صحیح 'سعید بن ابی ھلال' ہے، کیونکہ سعید بن ھلال کا ترجمہ تلاش بسیار کے بعد بھی نہیں ملا۔ اور اکثر اسماء رجال کی کتب میں ابان بن صالح کے شاگرد اور عمرو بن الحارث کے شیوخ میں 'سعید بن ابی ہلال' ہی مذکور ہے۔

معاذ بن جبل کے اس اثر کو نعیم بن حماد نے بھی فتن کے اندر ذکر کیا ہے، جس کے الفاظ ہیں: "إِذَا رَأَيْتُمُ الدَّمَ يُسْفَكُ بِغَيْرِ حَقِّهِ، وَالْمَالَ يُعْطَى عَلَى الْكَذِبِ، وَظَهَرَ الشَّكُّ وَالتَّلَاعُنُ، وَكَانَتِ الرِّدَّةُ، فَمَنِ اسْتَطَاعَ أَنْ يَمُوتَ فَلْيَمُت "۔"جب تم دیکھو کہ ناحق خون بہایا جا رہا ہے، جھوٹ کی بنیاد پر مال دیا جا رہا ہے، شک اور لعنت رواج پا رہا ہے اور ارتداد جنم لے رہا ہے تو اگر مر سکتے ہو تو مر جاؤ"۔(دیکھئے: کتاب الفتن/ 159)۔

اور ابن عساکر کے نزدیک ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے: ألا فمن أدرك خمساً فاستطاع أن یموت فلیمت: أن یكفر الرجل بعد إیمانه، وأن یسفك الدم بغیر حقه، وأن یعطی مال الله بأن یكذب أو یفجر، وأن یظهر التلاعن بینكم، أو یقول الرجل حین یصبح: والله إن حییت أو مت ما أدری ما أنا علیه "۔"جو تم میں سے پانچ فتنوں کو پالے اور مر سکتا ہے تو مر جائے: ایمان کے بعد آدمی کی تکفیر کی جائیگی، ناحق خون بہایا جائے گا، اللہ کا مال جھوٹ اور فسق

وفجور کی بنیاد پر دیا جائے گا، آپس میں لعنت وملامت ظاہر ہوگا یا جب آدمی صبح کریگا تو کہے گا: اللہ کی قسم زندہ رہوں یا مرجاؤں نہیں معلوم کہ میں (ہدایت یا گمراہی) کس راستے پر ہوں"۔(دیکھئے: مختصر تاریخ دمشق: 1/ 226)۔

(نیز دیکھئے: المستدرک علی الصحیحین للحاکم 4:/ 552 - 551) ، امام حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور امام ذہبی نے اس کے اندر انقطاع قرار دیا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اسحاق بن عبداللہ اور عوف بن مالک کے درمیان انقطاع ہے۔ یہ اسحاق بن عبداللہ کون ہیں اس بارے میں اشکال پایا جاتا ہے، البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ یہ اسحاق بن عبداللہ بن الحارث بن کنانہ العامری، الثقفی، المدنی، القرشی مولی بنی عامر بن لؤی ہوں جو ثقہ ہیں۔(دیکھئے: تھذیب الکمال: 2/ 417 ، تھذیب التھذیب 1:/ 239 ،تقریب التھذیب /ص 101 رقم/365) ،لیکن یہاں ایک اشکال یہ بھی ہے کہ اسحاق بن عبداللہ کے طبقے میں اس نام کے کئی رواۃ ہیں جن کے درمیان تمییز مشکل ہے، جیسے: اسحاق بن عبداللہ بن جعفر الہاشمی، اسحاق بن عبداللہ بن حارث بن نوفل، اسحاق بن عبداللہ بن حارث بن کنانۃ، اسحاق بن عبداللہ بن ابی طلحہ، اسحاق بن عبداللہ بن ابی فروۃ، اسحاق بن عبداللہ المدنی۔(دیکھئے: التقریب: 1/ 59 - 58 ۔نیز دیکھئے: کتاب مختصر تلخیص الذہبی ابن الملقن: 7/ 3457 رقم/ 1149 ۔نوٹ: لیکن موسوعۃ الحدیث کی ویب سائٹ پر اسحاق بن عبداللہ بن الحارث بن کنانۃ کے ترجمہ میں مذکور ہے کہ یہ ربیعہ بن سیف کے استاد ہیں اور عوف بن مالک سے روایت کرتے ہیں)۔

(نیز دیکھئے: المستدرک علی الصحیحین للحاکم 4:/ 552 -551)، یہ روایت قدرے طویل ہے اور اس کے اندر بہت ساری باتیں ہیں جو دیگر روایتوں کے اندر نہیں ہیں، روایت کا نص کچھ اس طرح ہے: عن إسحاق بن عبد الله :أن عوف بن مالك الأشجعي رضى الله عنه أتى رسول الله صلى الله عليه وسلم فى فتح له، فسلم عليه، ثم قال: هنيئًا لك يا رسول الله !قد أعز الله نصرك، وأظهر دينك، ووضعت الحرب أوزارها بجرانها .قال: ورسول الله صلى الله عليه وسلم فى قبة من أدم، فقال: "ادخل يا عوف ." !فقال: أدخل كلى أو بعضى؟ فقال: "ادخل كلك ."فقال: "إن الحرب لن تضع أوزارها حتى تكون ست: أولهن موتى ."فبكى عوف .قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "قل: إحدى .والثانية فتح بيت المقدس، والثالثة موت يكون فى الناس كقعاص الغنم، والرابعة فتنة تكون فى الناس، لا يبقى أهل بيت إلا دخل عليهم نصيبهم منها، والخامسة يولد فى بنى الأصفر غلام من أولاد الملوك يشب فى اليوم كما يشب الصبى فى الجمعة، ويشب فى الجمعة كما يشب الصبى فى الشهر، ويشب فى الشهر كما يشب الصبى فى السنة، فلما بلغ اثنتى عشرة

سنة ملكوه عليهم، فقام بين أظهرهم فقال: إلى متى يغلبنا هؤلاء القوم على مكارم أرضنا؟ إنى رأيت أن أسير إليهم حتى أخرجهم منها .فقام الخطباء، فحسنوا له رأيه، فبعث فى الجزائر والبرية بصنعة السفن، ثم حمل فيها المقاتلة، حتى ينزل بين أنطاكية والعريش "۔

قال ابن شریح (أحد رواته) :فسمعت من يقول: "إنهم اثنا عشر غاية، تحت كل غاية اثنا عشر ألفًا، فيجتمع المسلمون إلى صاحبهم ببيت المقدس، فأجمعوا رأيهم أن يسيروا إلى مدينة الرسول صلى الله عليه وسلم حتى يكون مسالحهم بالسرح وخيبر"۔

قال ابن أبى جعفر :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم":يخرجون أمتى من منابت الشيح . "

قال: وقال الحارث بن يزيد: إنهم سيقيمون فيها هنالك، فيفر منهم الثلث، ويُقتل الثلث فيهزمهم الله بالثلث الصَّابِر."

وَقَالَ خَالِدُ بْنُ يَزِيدَ: يَوْمَئِذٍ يَضْرِبُ وَاللَّهِ بِسَيْفِهِ وَيَطْعَنُ بِرُمْحِهِ وَيَتْبَعُهُ الْمُسْلِمُونَ حَتَّى يَبْلُغُوا الْمَضِيقَ الَّذِى عِنْدَ الْقُسْطَنْطِينِيَّةِ، فَيَجِدُونَهُ قَدْ يَبِسَ مَاؤُهُ فَيُجِيزُونَ إِلَى الْمَدِينَةِ حَتَّى يَنْزِلُوا بِهَا، فَيَهْدِمُ اللَّهُ جُدْرَانَهُمْ بِالتَّكْبِيرِ، ثُمَّ يَدْخُلُونَهَا فَيَقْسِمُونَ أَمْوَالَهُمْ بِالْأَتْرِسَةِ "،

وَقَالَ أَبُو قَبِيلٍ الْمَعَافِرِيُّ: "فَبَيْنَمَا هُمْ عَلَى ذَلِكَ إِذَا جَاءَهُمْ رَاكِبٌ، فَقَالَ: أَنْتُمْ هَاهُنَا وَالدَّجَّالُ قَدْ خَالَفَكُمْ فِى أَهْلِيكُمْ، وَإِنَّمَا كَانَتْ كَذِبَةً، فَمَنْ سَمِعَ الْعُلَمَاءَ فِى ذَلِكَ أَقَامَ عَلَى مَا أَصَابَهُ، وَأَمَّا غَيْرُهُمْ فَانْفَضُّوا وَيَكُونُ الْمُسْلِمُونَ يَبْنُونَ الْمَسَاجِدَ فِى الْقُسْطَنْطِينِيَّةِ وَيَغْزُونَ وَرَاءَ ذَلِكَ حَتَّى يَخْرُجَ الدَّجَّالُ "السَّادِسَةَ۔

اسحاق بن عبداللہ کہتے ہیں کہ عوف بن مالک رضی اللہ عنہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آپ کی ایک جنگ میں فتح کیوقت آئے پھر کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو فتح مبارک ہو! اللہ تعالی نے آپ کی نصرت مدد کر کے عزت بخشی، اور آپ کے دین کو غلبہ عطا کیا، اورلڑائی اپنے انجام واختتام کو پہنچی۔فرماتے ہیں: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایک چمڑے کے خیمے میں تشریف فرماتھے، آپ نے فرمایا: "عوف اندرآجا" ! انہوں نے کہا: پورے طور پر یا بس تھوڑا؟ آپ نے فرمایا:" پورے طور پراندرآجا"، پھر آپ نے فرمایا: "لڑائی اس وقت تک ختم نہیں ہوگی جب تک (قیامت کی) چھ علامتیں ظاہر نہ ہوجائیں: ان میں پہلی علامت میری وفات ہے " (یہ سن کر) عوف رونے لگے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا ": کہوایک، اوردوسری بیت المقدس کی فتح، اور تیسری لوگوں میں ایک ایسی موت (کی وباء پھیلے گی) جو بکریوں میں پھیلنے والی بیماری کی طرح ہوگی، اور چوتھی لوگوں میں ایسا فتنہ برپا ہوگا کہ کوئی بھی صاحب گھر نہیں بچے گا مگر فتنے کا ان کا حصہ ان کو پہنچ کررہے گا، اور پانچویں

رومیوں میں ایک بچہ پیدا ہوگا جو ایک دن میں اتنا بڑا ہوگا جتنا ایک بچہ ایک ہفتہ میں بڑا ہوتا ہے، اور ایک ہفتہ میں اتنا بڑا ہوگا جتنا ایک بچہ ایک ماہ میں بڑا ہوتا ہے، اور ایک ماہ میں اتنا بڑا ہوگا جتنا ایک بچہ ایک سال میں بڑا ہوتا ہے، پھر جب وہ بارہ سال کا ہوجائے گا تو وہ لوگ اسے اپنا حاکم بنالیں گے، وہ ان کے درمیان کھڑا ہوکر کہے گا: کب تک یہ قوم ہمارے سرسبز وشادات اور بہترین سرزمین میں ہم پر غالب آتی رہے گی؟ میں سمجھتا ہوں کہ میں ان کے پاس جاؤں اور ان کو اس سرزمین سے نکال باہر کروں۔ خطباء کھڑے ہونگے اور اس کی رائے کی سراہنا کریں گے۔ پھر وہ جزائر اور بریۃ میں کشتیاں بنانے کا آرڈر دے گا، پھر جنگجوؤں کو اس میں سوار کریگا یہاں تک کہ انطاکیہ اور عریش (سیناء کیشمال مشرقی حصے میں بحیرہ روم کی ساحل پر واقع ایک شہر) میں اترے گا۔

راوی ابن شریح کہتے ہیں کہ: میں نے کسی کو کہتے ہوئے سنا کہ: "وہ بارہ جھنڈوں تلے ہوں گے، ہر جھنڈے کے نیچے بارہ ہزار فوج ہوگی، پھر مسلمان بیت المقدس میں اپنے حاکم کے پاس جمع ہوں گے اور اس بات پر اتفاق کریں گے کہ وہ مدینۃ الرسول جائیں گے اور سرح اور خیبر میں جنگ کی تیاری کریں گے۔

ابن ابی جعفر کہتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کے لوگ منابت الشیح سے نکلیں گے۔

حارث بن یزید کا قول ہے کہ: "وہ لوگ وہیں (منابت الشیح) میں قیام کریں گے تو ان میں ایک تہائی راہ فرار اختیار کرلیں گے، اور ایک تہائی قتل کردیئے جائیں گے، اور (باقی) ایک تہائی صبر کے ساتھ جمے رہنے والوں کے ذریعہ اللہ تعالی ان کو شکست دے گا"۔

اور خالد بن یزید کہتے ہیں کہ: "اللہ تعالی ان کو اپنی تلوار سے ماریگا اور ان کے تیر سے انہیں گھائل کریگا اور مسلمان ان کا تعاقب کریں گے یہاں تک کے قسطنطنیہ سے قریب جو آبنائے ہے وہاں تک پہنچ جائیں گے، وہ پائیں گے کہ اس کا پانی خشک ہوچکا ہے، وہ پار کرکے شہر میں جائیں گے اور وہاں رکیں گے، پھر اللہ تعالی اس کی دیواروں کو تکبیر کی گونج سے ڈھا دے گا، پھر یہ لوگ شہر میں داخل ہوں گے اور اپنے مال کی تقسیم ڈھال سے کریں گے۔

ابو قبیل معافری کہتے ہیں کہ: ''وہ اسی حالت میں ہوں گے کہ ایک سوار آئے گا اور کہے گا کہ: تم لوگ یہاں ہو اور دجال تمہاری آل واولاد پر حملہ آور ہوچکا ہے، جبکہ یہ بات جھوٹی ہوگی، تو جس نے علماء کی بات سنی ہوگی وہ اپنے کام میں لگا رہیگا اور دوسرے لوگ چلے جائیں گے اگر مسلمان قسطنطنیہ میں مساجد کی تعمیر کررہے ہوں گے اور اس کے بعد جہاد کریں گے، یہاں تک کہ دجال کا ظہور ہوگا''، پھر چھٹی نشانی کا ذکر کیا۔

کچھ اہم ملاحظات:

- عریش: بحیرہ روم کی ساحل پر واقع ایک شہر ہے جو مصر میں شہر سیناء کے شمال مشرق میں واقع ہے۔

- انطاکیہ (Antioch) ترکی کے جنوب مشرقی صوبہ حطائے (Hatay Province) کا صدر مقام ہے جو بحیرۂ روم سے 20 میل دور دریائے عاصی (جسے دریائے اورونٹس Orontes River کہتے ہیں اور یہ سوریہ کا

ایک اہم دریا ہے جو بحیرہ روم میں گرتا ہے) کے مشرقی کنارے پر ایک قدیم یونانی شہر ہے جس کے کھنڈرات جدید انطاکیہ کے قریب ہی واقع ہیں۔اس شہر کو چار صدی قبل مسیح میں سکندر اعظم کے ایک جرنیل وجانشین سلیوکس اول نے قائم کیا تھا۔(ویکی پیڈیا آزاد دائرۃ المعارف)۔

- السرح: موجودہ سرح سعودی عرب کے منطقۃ عسیر میں ضلع نماص کے تابع اس کا ایک مرکز ہے جو اس سے بیس کیلومیٹر کی مسافت پر واقع ہے،اس کا تاریخی نام حلباء ہے۔

- عبید اللہ بن أبی جعفر، أبو بکر المصری، الکنانی، اللیثی تابعی،محدث اور فقیہ مصر ثقہ ہیں سنہ 134ھجری میں وفات ہوئی۔) (سیر اعلام النبلاء: 6/8)

- اس کی سند میں ربیعہ بن سیف بن ماتع المعافری الصنمی الاسکندرانی مقبول ہیں بعض اصحاب رجال نے ان کو کثیر الخطا قرار دیا ہے حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:"صدوق ہیں ان کی کچھ منکر روایتیں ہیں "امام دارقطنی نے انہیں صالح قرار دیاہے، امام بخاری کے بقول ان کے پاس منکر روایتیں ہیں اور یہ کچھ ایسی روایتیں کرتے ہیں جن کی متابعت نہیں کی جاسکتی۔(تاریخ الاسلام للذھبی: 3/ 233،تھذیب الکمال: 9/113)۔ نیز اسحاق بن عبد اللہ کون ہیں اس بارے میں اشکال پایا جاتاہے،البتہ یہ ہو سکتاہے کہ یہ اسحاق بن عبداللہ بن الحارث بن کنانہ العامری، الثقفی، المدنی، القرشی مولی بنی عامر بن لوی ہوں جو ثقہ ہیں۔(تھذیب الکمال: 2/ 417 ،تھذیب التھذیب 1:/ 239 ،تقریب التھذیب/ص 101

رقم/365)۔نیز ابوقبیل حیی بن ہانیء بن ناضر بن یمنع المعافری ہیں جنہیں ابوحاتم رازی نے صالح الحدیث، ابوزرعہ الرازی، امام احمد بن حنبل نے ثقہ اور امام ذہبی نے ضعیف قرار دیا ہے۔یحیی بن معین نے بھی انہیں ضعیف کہاہے، ان سے ان کی توثیق بھی مروی ہے۔امام ذہبی لکھتے ہیں:"یہ ضعیف ہیں پرانی کتابوں سے بکثرت نقل کرتے ہیں۔ابوحاتم کے بقول خطا کیا کرتے تھے اور امام حاکم نے تابعی کبیر قرار دیاہے، حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: یہ ضعیف ہیں پرانی کتابوں سے بکثرت نقل کرتے ہیں۔اور لکھتے ہیں: یہ صدوق تو ہیں مگر وہم کے شکار تھے۔ برلس(مصر میں ایک جگہ کا نام) میں سنہ 128ھ میں ان کی وفات ہوئی۔(دیکھئے: تھذیب الکمال: 7/ 490 رقم / 1586 سیر اعلام النبلاء: 5/ 214 ،تقریب التھذیب /1606)۔

- الشیح:ہموار زمین میں پیدا ہونے والا ایک خوشبودار پودا جس سے جھاڑو وغیرہ بنائے جاتے ہیں،اس کا ذائقہ کڑوا ہوتاہے اور اونٹ اور گھوڑوں کے چرنے کے کام آتاہے۔(دیکھئے:لسان العرب:مادۃ:شیح)۔

- بعض روایتوں میں 'أترسة' کی بجائے 'وَتُقْسَمُ الْغَنَائِمُ مُكَايَلَةً بِالْغَرَائِرِ' ہے۔(دیکھئے:الفتن لنعیم بن حماد 2:/476)۔غرائر: غرارۃ کی جمع ہے اس کا معنی بوری یا بڑے تھیلے کا ہے جو اون، بال یا پٹسن وغیرہ سے بنائی جاتی ہے، جو عام بوریوں سے تھوڑی بڑی ہوتی ہے۔

(جاری)

☆☆☆

شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ: مختصر تعارف

محمد محبّ اللہ بن محمد سیف الدین المحمد ی

نام ونسب: ابوعلی محمد بن عبدالوہاب بن سلیمان بن علی بن محمد بن احمد بن راشد بن بُرید بن محمد بن برید بن مشرّف۔

ولادت: 1115 ہجری میں نجد کے مشہور شہر عُیَیْنۃ (عیینۃ ریاض کے شمال میں ہے، ریاض سے 35 کیلو میٹر دور ہے) میں پیدا ہوئے۔ آپ کا خاندان آل مشرف ہے جو اُشیقر نامی شہر میں آباد تھا، لیکن متعدد شہروں میں آپ کے خاندان کے افراد ہجرت کرتے رہے، ہجرت کی تفصیل درج ذیل ہیں۔

۱- شیخ محمد بن عبد الوہاب کے دادا شیخ سلیمان شہر اُشیقر میں پیدا ہوئے اور وہیں پلے بڑھے اور علم حاصل کیا یہاں تک کہ کبار مشائخ میں آپ کا شمار ہوگیا تو روضۃ سدیر کے لوگوں نے آپ کو منصب قضاء عطاء کیا اور آپ بحیثیت قاضی روضۃ سدیر منتقل ہوگئے، پھر آپ نے عیینہ کا سفر کیا اور وہاں بھی قاضی بن گئے اور عیینہ کو مستقل وطن بنالیا اور شیخ أحمد بن محمد بن بسام کی بیٹی فاطمہ سے آپ نے شادی کرلی اور یہیں آپ نے آخری سانس لی اور عیینہ کی مٹی میں مدفون ہوئے۔

۲- شیخ محمد بن عبد الوہاب کے والد مکرم یعنی عبد الوہاب رحمہ اللہ کی ولادت عیینہ میں ہوئی اور آپ کی نشو ونما یہیں ہوئی، یہیں علم حاصل کیا اور فضل وکمال کے اعلی درجہ تک پہنچے یہاں تک کہ عیینہ کے قاضی بن گئے، محمد بن عزّاز المشرفی کی دختر سے آپ کا نکاح ہوا اور اس کے بطن سے دو بیٹے پیدا ہوئے ایک محمد دوسرا سلیمان، پھر آپ قاضی بن کر حریملاء منتقل ہوگئے اور نزیل حریملاء ودفینہ کے مستحق ہوئے، یہیں آپ کی وفات 1153ھ میں ہوئی۔

۳- شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ نے حریملاء سے عیینہ ہجرت کی اور حاکم عیینہ کی پھوپھی جوھرۃ بنت عبداللہ بن معمر سے شادی کرلی اور کچھ مدت یہاں گذار کر آپ نے درعیہ کا رخ کیا اور وہاں مستقل سکونت اختیار کرلی یہاں تک آپ کی روح پرواز کرگئی۔ شیخ محمد بن عبدالوہاب کے 6 بیٹے تھے علی، عبداللہ، حسن، حسین، ابراھیم، عبدالعزیز اور آپ کی بیٹیاں بھی تھیں۔

(دیکھیے تفصیل کے لئے الدرر السنیۃ فی الأجوبۃ النجدیۃ .12/6 وترجمۃ لإمام الدعوۃ الشیخ محمد بن عبدالوہاب التمیمی صفحہ نمبر 15-11)

نشونما وتعلیم وتربیت: شیخ محمد بن عبد الوہاب کی پیدائش شہر عیینہ میں ایک نیک، صالح علم وفضل والے خاندان میں ہوئی (آپ کے والد ایک بڑے عالم وفقیہ مفتی وقاضی تھے، شہر عیینہ اور اس کے اردگرد کے لوگ آپ سے

فتویٰ پوچھتے تھے اور مرجع خلائق تھے، عیینہ میں 14 سال اور حریملاء میں 14 سال تک قاضی رہے، شیخ محمد بن عبد الوہاب کے دادا سلیمان بھی عالم کبیر بلکہ رئیس العلماء، علم غزیر اور صاحب کثیر التصانیف اور مفتیٔ نجد وقاضیٔ روضۃ سدیر وعیینۃ تھے۔)

شیخ محمد بن عبد الوہاب پاکیزہ ماحول میں پروان چڑھے ابتدائی عمر میں قرآن پڑھا اور اپنے والد عبدالوہاب بن سلیمان کے پاس فہم دین اور علوم شرعیہ کے حصول کیلئے جدو جہد میں لگ گئے. اور انتھک محنت کی، سن بلوغت کے بعد فریضہ حج کی ادائیگی کے لئے بیت اللہ الحرام کا قصد کیا اور حرم شریف کے بعض شیوخ سے علم حاصل کیا۔ پھر مدینہ طیبہ کا رخ کیا اور وہاں کے علماء سے ملتے رہے. دومہینہ تک وہاں قیام کیا اور اس وقت مدینہ کے مشہور علماء کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ ان میں سے ایک شیخ ومحدث عبداللہ بن ابراہیم بن سیف نجدی تھے (جو کہ اصلاً مجمعہ کے تھے اور شیخ ابراہیم بن عبداللہ صاحب 'العذب الفائض فی علم الفرائض' کے والد تھے) اور دوسرے محدث الحرمین شیخ محمد حیات بن محمد ابراھیم سندھی تھے اور تیسرے محدث وشیخ اسماعیل بن محمد العجلونی الدمشقی اور چوتھے محدث علی أفندی بن صادق الداغستانی ثم الدمشقی تھے شیخ کے مدینہ کے اساتذہ میں یہ چار زیادہ مشہور ہیں۔

شیخ محمد بن عبد الوہاب بلوغت سے قبل سن مبکر (ابتدائی عمر) سے ہی تحصیل علم کیلئے جد وجہد وکدکاوش کرنے لگے۔ اپنی جائے پیدائش عیینہ کے مشائخ سے علم حاصل کیا اور طلب علم کیلئے مکہ مدینہ بصرہ أحساء وغیرہ کا بار بار سفر کیا۔ نجد وحجاز کی وادیوں کا خاک چھانا، اپنے والد بزرگوار سے خوب خوب استفادہ کیا، وقت کو منظم کیا، نظام الاوقات ترتیب دے کر کتب تفسیر، حدیث، اصول کا مطالعہ کیا، خصوصا شیخ الاسلام ابن تیمیہ وابن القیم کی تصانیف کو بڑی عرق ریزی وباریک بینی کے ساتھ پڑھا، اپنے ہاتھ سے صحیح بخاری وزاد المعاد لکھا۔ الفیہ ابن مالک وغیرہ حفظ کیا، شیخ رحمہ اللہ کے علمی اسفار ایک اندازہ کے مطابق بیس ہزار کیلومیٹر سے زائد ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے شیخ رحمہ اللہ کو ذہن ثاقب وفہم قوی عطا کیا تھا سریع الحفظ وقوی الادراک اور فرط ذکاوت سے مالا مال تھے، دس سال کی عمر ہونے سے قبل ہی قرآن حفظ کر لیا اور بہت ساری احادیث از بر کر لیا۔

12 سال کی عمر ہی میں ان کے والد انہیں امامت کے لیے آگے بڑھاتے تھے، 12 سال کی عمر ہی میں انھوں نے اپنے والد اور چچا سے مناظرہ ومباحثہ کرنا شروع کر دیا تھا امام احمد سے مروی بعض مسائل میں دلائل کے ساتھ اپنے والد اور چچا سے مناظرہ کیا بعض ان مسائل کے سلسلے میں جسکو انھوں نے الشرح الکبیر اور المغنی اور الانصاف میں پڑھا تھا کہ یہ مخالف ہیں المنتہی اور الاقناع کے متن سے۔ آپ کے والد اور گھر والے متحیر ہوتے آپ کے علم کثیر، قوت استدلال، فہم وفراست، ذہانت وفطانت سے۔ بلکہ آپ کے والد آپ سے مستفید ہوتے تھے، سچ ہے، ہونہار برِوا کے چکنے چکنے پات۔

(بحوالہ: ترجمۃ إمام الدعوۃ الشیخ محمد بن عبدالوہاب التمیمی صفحہ نمبر 30)

سیرت وکردار: شیخ محمد بن عبدالوہاب حسن اخلاق

کے پیکر تھے، بلکہ قرآن وسنت کے اخلاق سے مزین تھے۔ حلیم وحکیم، متواضع ومنکسر المزاج، عفو ودرگذر کرنے والا، فحش وھذیان سے دور، محبّ عفیف متصدق، سلیم الصدر تھے۔

شیخ رحمہ اللہ کے بلند اخلاق وحسن سیرت وکردار کی چند مثالیں درج ذیل ہیں۔شیخ رحمہ اللہ عفو وصفح، معاف کرنے اور اگنور کرنے کو پسند کرتے تھے۔شیخ رحمہ اللہ کے دادا شیخ سلیمان رحمہ اللہ کا دو باغ اُشیقر میں تھا، چنانچہ کچھ بدطینت لوگوں نے ان دونوں باغوں پر غاصبانہ قبضہ کرلیا۔ جب عرصہ بعد شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کا امر ظاہر ہوا اور نجد وحجاز میں آپ کو شہرت ہوئی اور محمد بن سعود کے تعاون سے جب حکومت قائم ہوئی تو وہ غاصب وظالم آئے اور شیخ سے کہا 'اے شیخ ہمارے پاس آپ کے دادا کا باغ ہے اور ہم چاہتے ھیں کہ اس باغ کو ہم اپنے قبضے میں باقی رکھیں اور آپ یہ لکھ دیں کہ یہ ہمارا ہی باغ ہے تو شیخ نے جواب دیا، کہا کہ تم نے ناجائز قبضہ کرتے وقت ہم سے اجازت نہیں لی تھی، ہم تمہارے ناجائز قبضہ کرلینے کے بعد تم سے چھیننے نہیں آئیں گے۔

شیخ رحمہ اللہ ایک دوسرے کے جذبات واحساسات کا خیال کرتے تھے اور کسی کو زک دینے یا دکھی کرنے سے دور رہتے اور کوشش کرتے کہ قول وفعل سے کسی بھی شخص کو تکلیف نہ ہو، کوئی شیخ سے بدخلقی ونالائقی کرتا تو آپ جیسا کو تیسا والا معاملہ نہیں کرتے بلکہ شر کا جواب خیر سے عنف کا جواب لین ونرمی سے دیتے، آپ نیک زاہد وعابد وپارسا وشب زندہ دار تھے رات کے اکثر حصے میں نماز پڑھتے، رات کے اندھیرے میں تلاوت قرآن کرتے اور ذکر، تسبیح وتحلیل سے اپنے لسان کو تر رکھتے تھے۔ ہمیشہ سبحان اللہ، والحمدللہ، ولا إلہ إلا اللہ، واللہ أکبر، کہتے رہتے تھے۔

آپ بڑے وفادار بھی تھے، دوسرے کا احسان یاد رکھتے تھے، چنانچہ امیر عیینہ عثمان بن معمر نے جب شیخ کو بے یارومددگار تنہا چھوڑ دیا اور شیخ کو عیینہ سے نکلنے کا حکم دیا تو آپ رحمہ اللہ نے درعیہ کا قصد کیا تو درعیہ میں امام محمد بن سعود نے شیخ کا پرتپاک استقبال کیا اور مدد کی، یہاں تک کہ جب شیخ رحمہ اللہ میدان دعوت وتبلیغ میں جب کامیاب ہو گئے اور غلبہ حاصل ہوا اور اسلامی ریاست قائم کرلی تو عیینہ کے امیر عثمان بن معمر نادم وپشیمان ہوا اور شیخ کو درعیہ آنے کی دعوت دی تو شیخ نے کہا کہ یہ ہمارے ہاتھ میں نہیں ہے میں ایسا نہیں کر پاؤں گا، محمد بن سعود کے اختیار میں ہے، اگر وہ چاہیں کہ میں تمہارے پاس چلا جاؤں تو چلا جاؤں گا ورنہ نہیں، مجھے جس نے عزت وتکریم کے ساتھ اپنے یہاں رکھا اور مجھے قبول کیا اس کے بدلے میں کسی کے پاس نہیں جاؤں گا۔

شیخ رحمہ اللہ انتہائی زیادہ متواضع تھے، ابن بشر رحمہ اللہ نے کہا میں نہیں جانتا ہوں شیخ محمد بن عبدالوہاب جیسا کوئی ہے جو طالب علم، یا سائل، یا کسی ضرورتمند یا کسی فائدہ حاصل کرنے والے کیلئے اتنے نرم ورفق ومحبت سے پیش آتا ہو۔

شیخ رحمہ اللہ حقد وحسد بغض وشحناء سے کوسوں دور پاک دل انسان تھے، کسی کو کسی بات سے ٹھیس پہنچے، برا لگے اس سے بھی ڈرتے اور ناپ تول کر ضرورت کے مطابق گفت

وشنید کرتے تھے، کسی کو نہ تنگ کرتے نہ چھیڑتے نہ کھلی اڑاتے، کوئی شیخ کو تنبیہ کرتے نصیحت کرتے اس کو پسند کرتے اور شکریہ ادا کرتے تھے اور کوشش کرتے کہ کسی کو تکلیف نا پہنچے، ایک دوسرے کا احترام کرتے اور حسن گفتار و کردار کے ساتھ زندگی بسر کرتے۔

(دیکھیے تفصیل کے لئے۔عنوان المجد فی تاریخ نجد 1/181، الرسائل الشخصیۃ 318)

اساتذہ وشیوخ: شیخ رحمہ اللہ کے اساتذہ وشیوخ کی کثیر تعداد ہے بعض کے اسماء درج ذیل ہیں۔

۱- شیخ کے والد۔عبدالوہاب بن سلیمان۔

۲- شیخ کے چچا ابراھیم بن سلیمان۔

۳- شیخ محمد المجموعی البصری،

۴- شیخ عبداللطیف العفالقی الأحسائی،

۵- شیخ عبداللہ بن ابراہیم بن سیف النجدی،

وغیرہ وغیرہ۔

تلامذہ: شیخ کے بیشمار تلامذہ ہیں۔

۱- شیخ کے بیٹے۔علی بن محمد بن عبدالوہاب۔عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب، حسین بن محمد بن عبدالوہاب، عبدالعزیز بن محمد بن عبدالوہاب، شیخ کے پوتے عبدالرحمٰن بن حسن۔

۲- حمد بن ناصر بن معمر۔

۳- عبدالعزیز الحصین،

۴- سعید بن حجی۔وغیرہ۔

تصانیف: شیخ الاسلام محمد بن عبدالوھاب نے جو کتابیں تحریر کی ہیں وہ متعدد فنون میں ہیں، چونکہ آپ غزیر علم والے متبحر عالم، علوم وفنون کے اندر گہری بصیرت وژرف نگاہی رکھتے ہیں، مفسر، محدث، محقق ومفکر بلکہ آیۃ من آیات اللہ تھے اسلئے آپ کے متنوع مصنفات مختلف فنون میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے شیخ رحمہ اللہ کو حسن تصنیف، سرعۃ الکتابۃ، جودۃ التعبیر کا ملکہ دیا تھا، اسلئے آپ کی تصنیفات مقبول خاص وعوام ہے اور لوگوں کو آپ کی تحریروں سے بڑا فائدہ ہوا۔آپ کی کتابوں کا امتیاز یہ ہے کہ نصوص کتاب وسنت وآثار سے مملو ہیں اوران کے اندر قرآن وحدیث واقوال سلف سے استدلال واستنباط موجود ہیں۔ آپکی مؤلفات میں گنجلک وپیچیدہ عبارتیں نہیں ہیں، بالکل واضح سہل وآسان عبارتیں ہیں، آپ کی تالیفات سے عوام وعلماء سب مستفید ہوسکتے ہیں، آپ کی کتابوں میں غلطی مفقود ہے، عیب ونقص نہیں ہے علماء عاجز رہ گئے آپ کے مصنفات میں عیوب تلاش کرتے کرتے، آپکی مؤلفات کی خصوصیات میں سے یہ بھی ہے کہ آپ تعلیم حاصل کرنے کی نصیحت کرتے ہیں اور طالب کے لئے دعاء کرتے ہوئے شروعات کرتے ہیں۔جیسے کہیں گے: اعلم رحمك الله، اعلم أرشدك الله، اعلم أرشدك الله لطاعته، وأحاطك بحياطته وتولاك فی الدنيا والآخرة، اعلم وفقنا الله وإياك للإيمان بالله ورسوله..... .

الغرض کہ آپ کی کتابیں انتہائی مفید واہم ہیں، یہی وجہ ہے کہ اہل علم نے آپ کی کتابیں پڑھنے کی وصیت کی ہے جیسا کہ شیخ عبدالرحمٰن بن حسن رحمہ اللہ نے کہا" أوصيك بالاشتغال والمطالعة فی كتبه، وتأمل

ما فیھا من الأدلة، میں تمھیں وصیت کرتا ھوں کہ شیخ محمد بن عبد الوھاب کی کتابیں پڑھو، مطالعہ کرو اور اس میں مشغول ھو جاؤ اور جو دلائل ان کتابوں میں ھیں ان پر تدبر وتفکر کرو "

(بحوالہ المطلب الحمید فی بیان مقاصد التوحید صفحہ نمبر 290)

آپ کی مؤلفات کے اسماء:

۱-تفسیر میں آپ کی مؤلفات۔ جیسے۔ تفسیر سورۃ فاتحہ، مختصر تفسیر سورۃ انفال، تفسیر سورہ فلق، ناس، وتفسیر آیات میں القرآن الکریم، وغیرہ

۲-علوم القرآن میں آپ نے فضائل القرآن کے نام سے لکھا ہے،

۳- حدیث میں آپ کی مؤلفات۔ مجموع الحدیث علی أبواب الفقہ، ومختصر فتح الباری،

۴-عقیدہ میں آپ کی مؤلفات۔ نواقض الإسلام، القواعد الأربع، الأصول الثلاثۃ، کتاب التوحید، کشف الشبہات، مسائل الجاہلیۃ، أصول الإیمان، مختصر الصواعق، مختصر العقل والنقل، مختصر الإیمان،

۵- فقہ میں آپکی مؤلفات۔ شروط الصلاۃ أرکانہا وواجباتہا، کتاب العبادات . المشہور بآداب المشی إلی الصلاۃ، مختصر الإنصاف، مختصر الشرح الکبیر، مختصر زاد المعاد،

۶-سیرت میں مختصر السیرۃ النبویۃ

۷-آداب وسلوک میں۔ مختصر المنہاج

۸-وعظ ونصیحت میں۔ کتاب الکبائر،

اور دیگر متعدد رسائل وغیرہ۔

کتاب التوحید کی خصوصیات وامتیازات:

شیخ کی کتابیں اہل علم و طلبہ علم میں متداول ہیں، خصوصاً کتاب التوحید انتہائی زیادہ مشہور ہے اور مدارس و جامعات میں داخل نصاب ہے۔ یہ کتاب " کتاب التوحید الذی ہو حق اللہ علی العبید " کے عنوان سے موجود ہے اور تاریخی مصادر بتاتے ہیں کہ یہ شیخ کی اول تالیف میں سے ہے۔

اس کتاب کو علماء اور طلبہ میں بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ انہوں نے اس سے اعتناء کیا اور اسکی خدمت کی۔ ان میں اولین تو مؤلف کے معاصر ہی تھے۔ جنہوں نے رغبت اور شوق کے ساتھ آپ سے کتاب کا درس لیا۔ اس کے ابواب پڑھے اور انہیں یاد کیا اور براہ راست آپ سے اسکی شرح اور تقریر سنی، پھر یہ توجہ آج تک برقرار ہے۔ لوگوں نے اسے نقل کیا اور بار بار چھپوایا۔ آج دنیا میں اسکے اس قدر نسخے پھیلے ہوئے ہیں کہ کثرت کے سبب شمار میں نہیں آسکتے۔ علماء نے اسکی بہترین تعریف کی ہے۔

ابن بشر کہتے ہیں: مصنفین نے اس فن میں اس سے بہتر کتاب تالیف نہیں کی۔ آپ نے اسے بہت خوب اور بہت عمدہ لکھا اور غایت ومراد کو پہنچ گئے شیخ سلیمان بن حمدان نے اس کا وصف یوں بیان کیا ہے نادر انداز اور عظیم نفع کی کتاب ہے۔ میں نے نہیں دیکھا کہ کسی نے اس جیسی کتاب آپ سے پہلے لکھی ہو۔

چنانچہ اس کا ہر باب ایک قاعدہ ہے جس پر بہت سے فوائد مبنی ہیں۔ آپ کے بیشتر ہم زمانہ شرک اکبر اور اصغر میں

واقع تھے اور اسی کو دین سمجھ رکھا تھا۔ لہذا نہ اس سے توبہ کی جارہی تھی، نہ مغفرت مانگی جارہی تھی۔ چنانچہ آپ نے صورت حال جان اور دیکھ کر یہ کتاب تالیف کی۔ اس لیے یہ اس بیماری کی دوائے نافع ہوئی۔

اس کی بہت سی شرحیں اور حواشی لکھی گئی ہیں۔ ایک شرح تیسیر العزیز الحمید ہے، یہ شیخ سلیمان بن شیخ عبداللہ بن شیخ محمد بن عبدالوہاب کی تالیف ہے۔ مگر مکمل نہیں ہے۔ لہذا اسکی تکمیل شیخ عبدالرحمٰن بن حسن کی تہذیب سے کی گئی ہے۔ جو "باب ماجاء فی المصورین" سے شروع ہوکر اخیر کتاب تک جاتی ہے۔ ایک اور شرح فتح المجید شرح کتاب التوحید" ہے۔ یہ "تیسیر العزیز الحمید کی تہذیب وتقریب اور تکمیل ہے۔ تکمیل فائدہ کیلئے اس میں بعض عمدہ نقول کا اضافہ کیا گیا ہے۔ اسے عبدالرحمٰن بن حسن بن الشیخ نے لکھا ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی شروح وحواشی ہیں جن کا سلسلہ اب تک جاری ہے۔

اس کتاب، کتاب التوحید کا مخطوطہ، المکتبۃ السعودیہ ریاض میں ۸۶/۴۶۵ نمبر کے تحت پایا جاتا ہے۔ اسی طرح شیخ عبداللہ بن رشید بن فرج کا تحریر کردہ ایک اور مخطوطہ، بریدہ میں شیخ عبداللہ ابراہیم التویجری کے ذاتی کتب خانے میں، ایک مجموعہ کے ضمن میں موجود ہے اور ایک اور مخطوطہ مسجد ام خمار عنیزہ کے المکتبۃ العلمیۃ الصالحیۃ میں موجود ہے۔ ناسخ محمد بن منصور ہیں۔

شیخ بسام بتلاتے ہیں کہ اسکی شرح فتح المجید کا ایک مخطوطہ عبدالعزیز بن صالح صیرامی کے قلم سے موجود ہے، جس کی کتابت سے ۱۲۸۴ھ میں فراغت ہوئی۔ یعنی یہ مؤلف کی زندگی ہی میں لکھا گیا ہے۔ اس کا خط عمدہ اور واضح ہے۔ یہ غلطیوں سے خالی ہے اور اس پر امام فیصل بن ترکی کی اہلیہ کی طرف سے وقف لکھا ہوا ہے۔ جس میں یہ عبارت بھی ہے، اس کا وکیل، ان کا نام محمد بن فیصل ہے۔ یہ (وقف) جمادی الاولی ۱۲۸۷ھ میں ہوا۔ بحوالہ شیخ محمد بن عبد الوہاب کا سلفی عقیدہ اور دنیائے اسلام پر اس کا اثر۔ جلداول صفحہ نمبر 131-130۔

اس کتاب کی چند خصوصیات ہم ذکر کرتے ہیں۔

۱- اپنے موضوع پر پہلی مستقل کتاب ہے یہ۔

۲- اس کتاب کا موضوع یہ ہے "فی بیان ما بعث به الله رسله من الوحيد العبادة، وبيانه بالأدلة من الكتاب والسنة، وذكر ما ينافيه من الشرك الأكبر أو ينافى كماله الواجب من الشرك الأصغر ونحوه، وما يقرب من ذالك أو يوصل إليه"

یعنی اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو جن چیزوں کو دے کر بھیجا ہے ان کا بیان۔ یعنی توحید العبادۃ وغیرہ کا ذکر کتاب وسنت کی دلائل کی روشنی میں اور جو چیزیں توحید الوہیت یا توحید العبادۃ کے خلاف ہیں یا اس کے کامل ہونے کے منافی جیسے شرک اکبر واصغر وغیرہ اور اسی سے متعلق دیگر چیزوں کا تفصیلی بیان ہے قرآن وحدیث واقوال سلف کی روشنی میں۔

۳- کتاب التوحید بہترین ترتیب ومنظم ومرتب انداز میں ہے، قوت استدلال ہے، بالکل صحیح بخاری کے طرز پر۔ بلکہ بخاری کا حصہ محسوس ہوتی ہے۔

۴- کتاب التوحید کے ہر باب میں دین کا ایک عظیم قاعدہ بیان کر دیا گیا ہے۔

۵- کتاب التوحید کے مؤلف شیخ محمد بن عبدالوہاب خود اس کتاب کی شرح کرتے تھے۔

۶- علماء وطلباء اس کتاب کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، اس کتاب کو یاد کرتے ہیں، شرح کرتے ہیں اور لوگوں میں پھیلاتے ہیں۔

۷- کتاب التوحید کو علماء نے درس وتدریس تعلیق و تشریح کیلئے منتخب کیا، مساجد وجوامع میں شرح کی جاتی ہے، عوام وخواص سبھی حضرات کو پڑھایا اور سمجھایا جاتا ہے۔ علماء نے کثرت سے کتاب التوحید کی شروحات لکھیں، شروحات کی تعداد تقریباً 175 ہے،

۸- جس نے کتاب التوحید کو اچھی طرح سمجھ کر پڑھا اور یاد رکھا اسے توحید کے شرح وبیان میں دوسری کتاب کی ضرورت نہیں ہے۔

۹- بڑے بڑے علماء نے ولاۃ امر وحکام کو ابھارا اور مشورہ دیا ہے کہ اس کتاب کو لازمی طور پر عوام کو پڑھانے کا اہتمام کیا جائے۔

وفات حسرت آیات:

شیخ محمد بن عبدالوھاب کی وفات بروز سوموار اواخر شوال سن 1206 ہجری بمطابق 1791 عیسوی کو ہوئی، شہر دِرْعِیَّہ میں آپ کی صلاۃ جنازہ ہوئی، کثیر تعداد میں لوگوں نے شرکت فرمائی اور نمناک آنکھوں سے سپرد خاک کیا۔ رحم اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ۔ آپ کی وفات کے بعد کسی نے خواب میں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے شیخ محمد بن عبدالوہاب سے کہا" مرحبا باللذی دل عبادی علی عبادتی" خوش آمدید! آپ نے میرے بندوں کو میری عبادت وبندگی کی طرف رہنمائی کی۔

حرف اخیر:

شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب بارہویں صدی ہجری کے مجددین میں شمار کیے جاتے ہیں جنہوں نے پوری محنت اور جانفشانی کے ساتھ سرزمین حجاز میں اس وقت احیاء اسلام کے لیے کوششیں کیں جب سرزمین حجاز جاہلیت کے اندھیرے میں ڈوب چکی تھی اور شرک وبدعت کی وہی کیفیت پیدا ہوچکی تھی جو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں تھی، توحید وسنت کی معرفت لوگوں میں نا کہ برابر، غیر اللہ سے مدد طلب کی جاتی تھی، صوفیاء کا حلولی عقیدہ زور وشور سے پھیل رہا تھا، بعث بعد الموت کے منکرین کی تعداد بڑھ گئی تھی بتوں کی پرستش ہورہی تھی لوگ مرتد ہورہے تھے اور پورے قرآن مجید کا ہی انکار کر بیٹھے تھے، چنانچہ شیخ صالح بن عبداللہ العبود اس زمانے کی کیا خوب تصویر کشی کی ہے فرماتے ہیں" چنانچہ وہ اللہ وحدہ کی عبادت سے منحرف ہوکر مردہ اور زندہ اولیاء و صالحین کی عبادت کر رہے تھے۔ آفات و مصائب میں ان ہی سے فریاد کرتے تھے اور حاجات ورغبات میں ان ہی کی طرف متوجہ ہوتے تھے اور جمادات مثلاً پتھروں اور درختوں سے نفع اور نقصان پہنچنے کا عقیدہ رکھتے تھے۔ اہل قبور کی پوجا کرتے تھے اور خوشحالی وبد حالی دونوں حالتوں میں ان ہی کی طرف دعاء ونذر پھیرتے تھے۔ یوں یہ لوگ جاہلیت اولی کے مشرکین سے بڑھے ہوئے تھے۔ کیونکہ یہ مشرکین جب ضرر سے دوچار ہوتے تو دین کو خالص اللہ کے لیے کرتے ہوئے پکارتے تھے۔ البتہ

جب اللہ انہیں نجات دیدیتا تو وہ مشرک ہو جاتے۔ لیکن یہ لوگ اللہ کے ماسوا اپنے بتوں (یعنی درگاہ و مزارات) کی محبت اللہ کی محبت سے کہیں بڑھ کر کرتے تھے۔ جو دل کی گہرائیوں میں سرایت کئے ہوئے تھی اور چہرے اور زبان اور جوارح پر ظاہر ہوتی تھی۔ انہوں نے اپنی عمریں اور زندگیاں حق اور اسے ظاہر کرنے والے کو دفع کرنے میں صرف کر دی تھیں اور یہ حال کسی ایک ہی ملک کا نہ تھا کہ دوسرے میں ایسا نہ ہو، بلکہ بیشتر ممالک کا یہی حال تھا۔ اسی طرح یہ بات صرف شیخ کے اول عہد میں نہ تھی۔ بلکہ اس کا آغاز پرانے دور سے تھا، جبکہ رسول اللہ صلی اللہ کے عہد اور آپ کے بعد قرون فاضلہ کے عہد کے بعد ہی تغییر و ابتداع اور اختلاف شروع ہو گیا۔ پھر زمانوں پر زمانے بیتے برسوں پر برس گذرے۔ مگر گمراہی بڑھتی ہی گئی اور ضلال پھیلتا ہی گیا۔ یہاں تک کہ ایسے لوگ آئے جنہوں نے سمجھا کہ یہ گمراہی و بدعات ہی دین ہیں۔ کیونکہ انہوں نے اپنے آباؤ واجداد اور اسلاف کو اسی پر پایا تھا، اس لیے کہا کہ ہم بھی انہیں کے نقش ہائے قدم کے پیروکار ہیں۔

نجد کے شہروں میں اس کا بہت بڑا معاملہ تھا۔ لوگ جبیلہ میں زید بن خطاب کی قبر کے پاس آتے اور انہیں مشکل کشائی اور ازالۂ مصیبت کے لیے پکارتے تھے۔ وہ لوگوں میں اس کام کے لیے مشہور تھے اور حاجت روائی کے لیے ان کا چرچا تھا۔

لوگوں کا خیال تھا کہ درعیہ میں قریوہ کے اندر بعض صحابہ کی قبریں ہیں۔ چنانچہ لوگ انکی عبادت پر جے ہوئے تھے اور یہ تربت والے ان کے سینوں میں اللہ سے بڑھ کر تھے۔

غبیراء کی گھاٹی میں لوگ سمجھتے تھے کہ ضرار بن ازور کی قبر ہے۔ حالانکہ یہ جھوٹی بات ہے۔ پھر وہاں ایسی منکر حرکتیں کرتے تھے کہ جس کی مثال نہیں ملتی۔ الفداء کے شہر چہ میں ایک نر کھجور کا درخت تھا۔ جس کے پاس مرد اور عورتیں آکر وہاں نہایت بدترین حرکتیں کرتے تھے۔ اس کھجور سے برکت حاصل کرتے تھے اور اس سے عقیدت رکھتے تھے۔ جب عورت کی شادی میں دیر ہوتی تو وہ وہاں آکر دونوں ہاتھ سے اسے چمٹا لیتی اور امید رکھتی کہ وہ اسکی مشکل دور کر دے گا۔ چنانچہ کہتی "یا فحل الفحول، اُریدُ زوجاً قبل الحول اے نروں کے نر! میں سال بیتنے سے پہلے شوہر چاہتی ہوں۔

(بحوالہ شیخ محمد بن عبدالوہاب کا سلفی عقیدہ اور دنیائے اسلام پر اس کا اثر 1/43)

چنانچہ شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ نے اس کیفیت کو دیکھا تو تلملا گئے۔ اور اپنی پوری قوت و توانائی، وصلاحیت وقابلیت کو احیاء اسلام کے لیے وقف کر دیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ان کے دست مبارک پر لاکھوں انسانوں نے توبہ کیا اور فساق و فجار داخل اسلام ہوکر اسلام کے سچے خادم بن گئے نجد کے مختلف علاقوں میں آپ کی مساعی سے بفضل اللہ وعونہ مسجدیں آباد ہوگئیں مزاریں قبے ومشاہد منہدم ہوئیں اور لوگ کتاب وسنت کے علوم کی تحصیل میں منہمک ہوگئے اور صحیح دین پر چلنے لگے۔

☆☆☆

علامہ محمد رئیس ندوی رحمہ اللہ کی افتانویسی: منہج اور طریقہ کار

ڈاکٹر عبدالصبور ابوبکر

علامہ محمد رئیس بن سخاوت علی بن محمد باقر ندوی (۱۹۳۷ء-۲۰۰۹ء) رحمہ اللہ نے اپنی زندگی درس وتدریس اور بحث وتحقیق کے لیے وقف کردی تھی۔ ۱۹۶۰ء میں ندوۃ العلماء (لکھنؤ) سے فراغت کے بعد سب سے پہلے اپنے آبائی وطن موضع بھٹیا (سدھارتھ نگر) سے قریب مدرسہ عالیہ عربیہ (بستی) شاخ ندوۃ العلماء، پھر مادر علمی ندوۃ العلماء (لکھنؤ)، پھر جامعہ سراج العلوم (جھنڈا نگر، نیپال)، پھر مدرسہ دار الہدیٰ (بنگال)، پھر مدرسہ احمدیہ سلفیہ (دربھنگہ، بہار) میں تدریسی خدمات انجام دیں اور تشنگان علومِ نبوت کو سیراب کیا۔ ۱۹۶۳ء میں جامعہ سلفیہ (مرکزی دار العلوم)، بنارس کی تاسیس کے بعد قاری عبدالحق بانسوی (م ۱۹۷۵ء) اور شیخ الحدیث عبیداللہ رحمانی (م ۱۹۹۴ء) رحمہما اللہ کے مشورے اور تحریک پر ۱۹۶۹ء میں جامعہ سلفیہ جیسی عظیم درس گاہ میں قدم رنجہ ہوئے اور وہاں کی تدریسی ذمے داری سنبھال کر اسے وقار بخشا پھر تا دمِ وفات اسی جامعہ سے وابستہ رہے اور طلبا، علما اور اساتذہ کو فیض پہنچاتے رہے۔

بحث وتحقیق، حدیث اور علوم حدیث سے آپ کو خصوصی لگاؤ تھا، کتب احادیث بڑی دلچسپی سے پڑھاتے تھے، آپ جامعہ سلفیہ کے شیخ الحدیث بھی رہے ہیں۔ علم حدیث اورفنِ جرح وتعدیل پر آپ کی نظر نہایت گہری تھی، بلکہ فن رجال کے آپ اپنے دور کے امام تھے۔ آپ کے اندر مسلکِ حق (اہل حدیث) کے لیے بے پناہ غیرت تھی، جس پر آپ کی شاہکار تصانیف شاہد عدل ہیں، مقلدین کے فتنوں کی سرکوبی اور منہج سلف کا دفاع آپ کی زندگی کا سب سے قیمتی سرمایہ تھا، آپ مخالفین کے لیے شمشیر بُرّاں تھے، اپنی تحریروں سے تقلید کے ایوانوں میں زلزلہ بپا کردیا تھا۔

علامہ محمد رئیس ندوی رحمہ اللہ نہایت سادہ طبیعت، نیک طینت اور عبقری شخصیت کے مالک تھے، صبح وشام کے ذکر واذکار کا خصوصی اہتمام فرماتے تھے، کبھی کبھی دیر تک ذکر واذکار میں مشغول رہتے۔

موصوف ایک گوہر نایاب، طباع، ذہین، فقیہ اور جید عالم دین تھے، حافظہ بڑا مضبوط تھا، کتابوں سے والہانہ محبت تھی، مطالعہ نہایت گہرا اور وسیع تھا، ہر وقت مطالعہ اور بحث وتحقیق میں مشغول رہتے، آپ کو دیکھ کر "خَیرُ جَلِیسٍ فِی الزَّمانِ کِتابٌ" کا صحیح مفہوم سمجھ میں آتا تھا۔ شوق مطالعہ، علمی انہماک، کتب بینی اور تحقیق وجستجو کا یہ عالم تھا کہ بعض دفعہ پوری رات مطالعہ اور بحث وتحقیق میں گزار دیتے، باوثوق ذریعہ نے خبر دی ہے کہ ایک مرتبہ آپ

عشا کی نماز کے بعد کسی مسئلے کی بحث وتحقیق میں لگ گئے اور اس میں اس قدر منہمک ہوگئے کہ کب فجر کی اذان ہوئی اور نماز ختم ہوگئی، آپ کو پتہ ہی نہ چلا یہاں تک کہ آپ کی شریکِ حیات نے ٹوکتے ہوئے کہا کہ اس قدر کتابوں میں گم ہیں کہ آپ نے نماز بھی ادا نہ کی! پہلے نماز تو پڑھ لیں! موصوف نے جواب دیا کہ ابھی تو میں نے نماز پڑھی ہے، انہوں نے عرض کیا کہ عشا کی نہیں فجر کی نماز کے لیے کہہ رہی ہوں۔

علامہ محمد رئیس ندوی علیہ الرحمہ نے جامعہ سلفیہ میں تصنیفی وتدریسی خدمات کے علاوہ اور بھی کئی علمی، تربیتی اور ادارتی ذمے داریاں سنبھالی تھیں، انھیں میں سے ایک اہم ذمے داری افتا نویسی تھی، ابتدا میں آپ شعبہ افتا میں فتویٰ کمیٹی کے ایک فعال رکن تھے، رکن کی حیثیت سے آپ نے چند سالوں تک خدمات انجام دیں، بعض دیگر مفتیان جامعہ کے ساتھ آپ بھی فتویٰ نویسی کا کام کرتے رہے۔ جامعہ سلفیہ کے ریکارڈ کے مطابق آپ کا سب سے پہلا فتویٰ ۲۹/مارچ ۱۹۸۴ء کو صادر ہوا، بعد میں آپ کو دارالافتا کا نگراں اور مفتی جامعہ سلفیہ بنادیا گیا، پھر عمر کے آخری پڑاؤ تک آپ تدریس کے ساتھ ساتھ افتا کی ذمہ داری بھی نبھاتے رہے، جس کا دورانیہ کم وبیش (۲۵) سال ہے، اس دوران آپ کی نوک قلم سے اور آپ کے زیر اشراف ہزاروں فتاوے صادر ہوئے، جو جامعہ سلفیہ کے ریکارڈ میں محفوظ ہیں۔ اس سے قبل آپ نے جامعہ سراج العلوم، جھنڈا نگر میں بھی دورانِ تدریس دیگر علمی مشاغل کے ساتھ فتویٰ نویسی کی خدمت انجام دی تھی۔

ادب اسلامی میں فتویٰ نویسی کی تاریخ نہایت قدیم ہے۔ اسلام کے عہدِ اول سے لے کر آج تک کوئی بھی ایسا زمانہ نہیں گزرا، جس میں فتویٰ نویسی کا سلسلہ جاری نہ رہا ہو، علامہ ابن القیم (م ۷۵۱ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”افتا کے منصب پر جنھیں سب سے پہلے فائز ہونے کا شرف حاصل ہے، وہ خود سید المرسلین، امام المتقین، خاتم النبیین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے“ (اِعلام الموقعین 18-1/17)۔

فتویٰ نویسی ایک نہایت عظیم المرتبت اور ذمہ دارانہ عمل ہے، اس میں دیانتداری، پختہ علم، قوی سمجھ بوجھ کی ضرورت ہوتی ہے، ایک درست فتویٰ عوام کو صحیح دینی رہنمائی فراہم کرتا ہے اور معاشرتی مسائل کو اسلامی اصولوں کے مطابق حل کرتا ہے، نیز فقہی اور باہمی تنازعات دور کرنے میں فتویٰ کا بڑا اہم کردار ہوتا ہے۔

جامعہ سلفیہ جیسے عظیم دانش کدہ میں جہاں اساطینِ علم وفن اور حاملینِ کتاب وسنت کی بڑی تعداد موجود ہو ان کے مابین فتویٰ نویسی کے لیے علامہ ندوی رحمہ اللہ کا منتخب ہونا، آپ کی علمی شخصیت اور فقہی بصیرت کو اجاگر کرنے کے لیے کافی ہے، آپ نے مختلف علمی وفقہی مسائل پر فتاوے دیے، زیر نظر مقالہ میں آپ کے فتاوے سے متعلق چند باتیں حوالہ قرطاس کی جارہی ہیں:

علامہ محمد رئیس ندوی رحمہ اللہ کے فتاویٰ کی اقسام اور ان کی تعداد:

آپ کے وہ فتاویٰ جو جامعہ سلفیہ کے ریکارڈ میں محفوظ ہیں ان کی تعداد بہت زیادہ ہے، جو بڑے سائز

کے ۱۷؍ رجسٹروں (۱۱ تا ۲۷) میں قلمی نسخوں کی شکل میں مرقوم ہیں (ان رجسٹروں میں کچھ فتاوے دیگر مفتیان کے بھی ہیں)، آپ کے مجموعہ ہائے فتاویٰ کو اگر کتابی شکل دی جائے جو کہ وقت کی اہم ترین ضرورت ہے، تو کئی ضخیم جلدیں تیار ہو جائیں گی، آپ کے فتاویٰ کو تین قسموں میں بانٹا جا سکتا ہے:

پہلی قسم: وہ فتاوے جنھیں آپ نے خود اپنے ہاتھوں سے تحریر کیا ہے اور آپ ہی کی نوشت میں مستفتیان کو بھیجا گیا، آپ کے مجموعی فتاویٰ میں اس قسم کے فتاویٰ کی تعداد نسبتاً کم ہے، ان کی تعداد (۱۰۰) کے قریب ہے جس کا دورانیہ ۱۹۸۴ء سے ۱۹۹۴ء ہے۔ جامعہ کے ریکارڈ کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ اس اثنا میں آپ کے ساتھ دیگر مفتیان کرام بھی فتویٰ دیتے تھے۔ آپ کا تحریر کردہ آخری فتویٰ بتاریخ ۲۷؍ جون ۱۹۹۴ء صادر ہوا تھا، جو طلاق سے متعلق تھا۔

دوسری قسم: وہ استفتاءات جن کے جواب آپ کی ہدایت اور رہنمائی کے مطابق آپ کے معاونین تحریر کرتے اور آپ بطور نگراں دارالافتا اور مفتی جامعہ سلفیہ ان تحریر کردہ فتاویٰ پر نظر ثانی فرماتے، حسب ضرورت ان کی نوک پلک درست کرتے، غیر ضروری باتوں کو حذف کرتے، یا بعض دلائل کا اضافہ کرتے اور پھر ''الجواب صحیح'' لکھ کر اس کی توثیق کرتے اور تصدیقی دستخط ثبت فرماتے تھے۔ جامعہ سلفیہ کے ریکارڈ کے مطابق سب سے پہلا فتویٰ جس پر آپ نے ''الجواب صحیح'' لکھ کر تصدیقی دستخط ثبت فرمائی ہے، وہ مولانا عابد حسن رحمانی (م ۲۰۰۹ء) رحمہ اللہ کی جانب سے ۱۸؍ جولائی ۱۹۸۸ء کو تحریر کیا گیا تھا۔ آپ کے مجموعہ ہائے فتاویٰ میں یہ نوعیت غالب ہے۔ اس قسم کے فتاویٰ کی تعداد تقریباً (۲۲۶۰) ہے۔

تیسری قسم: آپ کے وہ فتاوے جنھیں آپ نے مستفتیان کو زبانی طور پر دیا ہے، اس قسم کے فتاویٰ کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے، مگر چونکہ یہ شفوی فتاویٰ تھے، اس لیے ان کا کوئی ریکارڈ جامعہ میں محفوظ نہیں ہے۔

معاونین اساتذہ کرام وطلبہ عزیز:

جن معاونین اساتذہ کرام اور جامعہ سلفیہ میں زیر تعلیم تخصص اور فضیلت سال اخیر کے طلبہ کے تیار کردہ جوابات پر آپ نے ''الجواب صحیح'' لکھ کر تصدیق فرمائی ہے، ان کی تعداد تقریبا (۲۷) ہے، جن کے اسماء یہ ہیں:

اساتذہ کرام میں سے: مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری (م ۲۰۰۶ء)، مولانا عابد حسن رحمانی (م ۲۰۰۹ء)، مولانا محمد حنیف فیضی مدنی (م ۲۰۱۲ء)، مولانا نعیم الدین سلفی مدنی (م ۲۰۲۱ء) رحمہم اللہ، مولانا جمیل احمد سلفی، مولانا احمد مجتبیٰ سلفی مدنی، مولانا عبدالسلام ابوہریرہ سلفی اور مولانا نور الہدیٰ سلفی۔

متعلمین جامعہ سلفیہ میں سے: عزیر احمد محفوظ عالم، نور الہدیٰ، وصی اللہ عبدالحکیم، محمد اسلم محمد منور، محمد ہارون فیض الدین، رحمت اللہ، نصیر الدین محمد حسین، ریاض احمد محمد سعید، نثار احمد عبدالرحمٰن، بدر الزمان حفیظ اللہ، کرم اللہ احمد حسین چمپارنی، اکرام الحق، نذیر احمد محفوظ عالم، محمد صدر عالم عبدالسبحان دربھنگوی، عبداللہ بن عبدالرؤف، عبدالتواب، محمود فتح اللہ دریا آبادی، آصف اقبال اور رضاء الحسن۔

فتاویٰ کے اہم مضامین:

مولانا محمد رئیس ندوی رحمہ اللہ نے شریعت کے اکثر احکام ومسائل سے متعلق فتاویٰ دیے ہیں، چاہے ان کا تعلق عقائد سے ہو یا عبادات سے، یا معاملات سے، کچھ مسائل ایسے بھی ہیں جن کے متعلق حسب استفتاءات کئی کئی فتاویٰ موجود ہیں، خاص طور سے نکاح اور طلاق کے مسائل، کیونکہ ان مسائل پر آپ کا مطالعہ بہت وسیع اور معلومات بہت عمیق تھی، طلاق کے مسئلہ پر آپ کی "تنویر الآفاق فی مسئلة الطلاق" نامی ایک مستقل اور عظیم تالیف بھی ہے۔

آپ کے فتاویٰ کے اہم مضامین یہ ہیں:

توحید، مروجہ شرک و بدعات، قرآن خوانی، اجتماعی اعتکاف، ایصالِ ثواب، تعویذ گنڈا، جھاڑ پھونک، غیر شرعی وسیلہ، غیر شرعی رسم ورواج، طہارت، وضو، خطبہ جمعہ، اذان، نماز میں سورۂ فاتحہ، سورۂ فاتحہ کے بعد قرأت، مغرب کی اذان کے بعد دو رکعت نفل، غائبانہ نمازِ جنازہ، صدقہ فطر اور عیدین کے مسائل، قربانی کے مسائل، ایام تشریق میں قربانی، قربانی کے جانور کی شرائط، عقیقہ کے مسائل، میراث کے مسائل، نکاح، طلاق، خلع اور زنا کے مسائل، قرض وسود کے مسائل اور وقف کے مسائل وغیرہ وغیرہ۔

علامہ محمد رئیس ندوی رحمہ اللہ کے فتاویٰ کے نمایاں امتیازات وخصوصیات:

علامہ ندوی رحمہ اللہ کے فتاویٰ کا جب ہم جائزہ لیتے ہیں، تو اندازہ ہوتا ہے کہ آپ فتویٰ نویسی کے وقت براہِ راست کتاب وسنت کی طرف رجوع کرتے ہیں، سلف صالحین کے فہم کو پیش نظر رکھتے ہیں، بلا تفریق تمام ائمہ دین کے اقوال سے استفادہ کرتے ہیں اور دلائل کی روشنی میں جو قول راجح ہوتا ہے اس کے مطابق فتویٰ دیتے ہیں، یہ اور اس جیسے دیگر اوصاف حمیدہ سے آپ کے فتاویٰ مزین ہوتے ہیں، جن میں سے بعض امتیازات وخصوصیات کا اختصار کے ساتھ یہاں ذکر کیا جا رہا ہے:

۱- کتاب وسنت سے براہِ راست استدلال:

نواب صدیق حسن خان (م ۱۳۰۷ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"افتا اور فتویٰ نویسی کا قدیم طریقہ یہ رہا ہے جیسا کہ موجودہ زمانے کے علما کا طریقہ ہے کہ وہ تقلیدی روش اختیار کرتے ہیں اور کتاب وسنت سے براہِ راست استدلال کرنے کے بجائے لوگوں کے اقوال نقل کرتے ہیں، مگر میرا طریقہ ایسا نہیں ہے، میں براہِ راست کتاب وسنت سے استدلال کرتا ہوں، جن دلائل کو نقل کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے، ان کو نقل کرتا ہوں، جن دلائل کی تردید کی ضرورت پڑتی ہے، ان کی تردید کرتا ہوں، نیز ضرورت کے بقدر فقہ کے اصول وضوابط پر روشنی ڈالتا ہوں" (مقدمہ دلیل الطالب علی ارجح المطالب ص:۳)۔

فتویٰ نویسی میں علامہ محمد رئیس رحمہ اللہ کا بھی بعینہ یہی منہج ہے کہ موصوف مقلدانہ روش سے ہٹ کر براہِ راست کتاب وسنت سے استدلال کرتے ہیں اور حسبِ ضرورت آثارِ صحابہ اور اقوالِ سلف سے استشہاد پیش کرتے ہیں۔

۲- دلائل وشواہد کا التزام:

علامہ محمد رئیس ندوی رحمہ اللہ نہ صرف یہ کہ بڑے قوی

حافظہ کے مالک تھے بلکہ اللہ رب العزت نے آپ کونصوص کے استحضار کا خصوصی ملکہ بھی عطا فرمایا تھا، جس کی وجہ سے آپ برملا اور بروقت نصوص پیش کرنے میں مہارت رکھتے تھے، اس سے آپ کے اقوال وآرا کی اہمیت دو چند ہو جاتی تھی۔

علامہ محمد رئیس رحمہ اللہ کے فتاویٰ کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ آپ دلائل کی روشنی میں فتویٰ صادر کرتے ہیں اور چونکہ فتویٰ کی طبیعت اختصار کا متقاضی ہوتی ہے، اس لیے اس کی رعایت کرتے ہوئے اختصار کے پیش نظر فتویٰ تحریر کرتے وقت عموماً ایک دو دلائل ذکر کرنے پر اکتفا کرتے ہیں، لیکن بعض استفتا کے جواب میں آپ نے متعدد دلائل اور شواہد کا بھی ذکر کیا ہے، اسی طرح آپ حسبِ ضرورت سلف صالحین اور ائمہ دین کے اقوال وآرا سے استشہادات پیش کرتے ہیں اور سلف وخلف میں سے جن ائمہ کے اقوال بکثرت نقل کرتے ہیں ان میں سے بعض یہ ہیں: علامہ ابن تیمیہ، ابن القیم، ابن حجر، علامہ شوکانی، امام البانی، عبدالرحمٰن مبارکپوری صاحب تحفہ الاحوذی اور شیخ الحدیث عبیداللہ رحمانی وغیرہ رحمہم اللہ۔

۳- صحتِ ادلہ کا اہتمام:

محققین اہل علم کے نزدیک دین کے تمام ابواب میں ضعیف احادیث سے استدلال درست نہیں ہے، چاہے ان کا تعلق عقائد سے ہو، یا عبادات سے یا معاملات سے اور چاہے حلال وحرام سے ہو یا ترغیب وترہیب سے۔ کیونکہ کسی بھی دینی مسئلہ میں ضعیف حدیث حجت نہیں ہے۔ ہمارے لیے صحیح احادیث کافی ہیں۔

بہت سارے مفتیانِ کرام اور خاص طور سے جو تقلید کی بیڑیوں میں جکڑے ہوئے ہیں، وہ اپنے امام یا مسلک کے مطابق فتاویٰ دینے کے لیے کوشاں رہتے ہیں، احادیث نبویہ سے نہ تو ان کا زیادہ لگاؤ ہوتا ہے اور نہ ہی اس کی باریکیوں کی سوجھ بوجھ، جس کی وجہ سے وہ صحیح وضعیف کے درمیان فرق نہیں کرتے ہیں اور نہ ہی ضعیف احادیث سے استدلال کرنے سے گریز کرتے ہیں، لیکن علامہ محمد رئیس ندوی رحمہ اللہ کو چونکہ فنِ حدیث سے خصوصی لگاؤ تھا اور اس کی باریکیوں پر گہری نظر تھی، اس لیے آپ فتویٰ نویسی میں صحیح احادیث سے استدلال کرنے کا از حد اہتمام کرتے تھے، بخاری ومسلم کے علاوہ دیگر کتبِ احادیث سے استدلال کے وقت کبھی اس کی صحت کی صراحت بھی کرتے تھے۔

فاتحہ خلف الامام سے متعلق ایک استفتا کے جواب میں عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں: "رواه الترمذي، وأبو داود، وأحمد، والدارقطني، وغيرهم بسند صحيح" (رجسٹر ۱۱، ص ۶۲ فتویٰ ۵۳)۔

۴- مختصر تخریج حدیث:

احادیث سے استدلال کرتے ہوئے آپ کبھی صرف ان کا مفہوم ذکر کرنے پر اکتفا کرتے ہیں اور کبھی انھیں باللفظ نقل فرماتے ہیں، ثانی الذکر طریقے میں عموماً احادیث کی مختصر تخریج بھی کرتے ہیں اس طرح کہ مصدر کا نام، جلد نمبر، صفحہ نمبر اور حدیث نمبر لکھتے اور کبھی صرف بنیادی مصادر کا ذکر کرنے پر اکتفا کرتے ہیں، چنانچہ ایک فتویٰ

میں رقم طراز ہیں:

''اسی سند سے یہ روایت الفاظ ذیل کے ساتھ بھی مروی ہے: "فلا تقرأوا بشيءٍ من القرآن إذا جهرت إلا بأم القرآن" یعنی جب امام جہر کے ساتھ نماز پڑھے تو تم فاتحہ کے علاوہ مزید قرآن مت پڑھو۔ (جزء القراءۃ للبیہقی ص ۴۲-۴۳، جزء القراء للبخاری ص ۱۵ حدیث ۵۹، وسنن دارقطنی ج ۱ ص ۱۲۱، سنن بیہقی ج ۲ ص ۱۶۴)'' (ماہنامہ محدث، مئی ۱۹۹۲ء ص ۴۴-۴۵)۔

۵- تعصب سے اجتناب:

جماعت اہل حدیث کا طرۂ امتیاز ہے کہ یہ جماعت بے جا تعصب، شخصیت پرستی، تقلید اعمی سے ہمیشہ دور رہی ہے، ہر طرح کے مسائل کے حل لیے کتاب وسنت کو اصل سرچشمہ مانتی ہے، قرآن وحدیث کے مقابلے میں آرائے رجال کو کوئی اہمیت نہیں دیتی ہے، نصوصِ شرعیہ کو سلف صالحین کے فہم کے مطابق سمجھتی ہے اور اسی کی طرف لوگوں کو دعوت دیتی ہے۔

اس جماعت حقہ کے مذکورہ بالا طرۂ امتیاز کی جھلک علامہ محمد رئیس ندوی رحمہ اللہ کے فتاویٰ میں واضح طور پر نظر آتی ہے، آپ تعصب سے اجتناب کرتے ہیں، دلائل کی روشنی میں کوئی بات کہتے ہیں، ائمہ کے اقوال وفرمودات اور مذاہب وآرا سے استشہاد کرتے ہیں، مگر اختلاف کی صورت میں بلاتعصب جس کا قول کتاب وسنت کی روشنی میں راجح یا درست ہوتا ہے، اسے بلا جھجک پیش کرتے ہیں۔

۶- فتویٰ نویسی میں احتیاط:

آپ مستفتی کے سوال کو جب تک اچھی طرح سمجھ نہ لیتے جواب نہ دیتے، اگر سوال غیر واضح ہوتا تو جواب میں لکھ دیتے کہ استفتاء وضاحت طلب ہے، یا اس کی فلاں عبارت غیر واضح ہے۔ کبھی فرماتے کہ اگر مستفتی کی یہ بات صحیح ہے تو اس کا یہ جواب ہے۔ چنانچہ ایک استفتا کے جواب میں رقم طراز ہیں:

''اگر استفتاء میں لکھی ہوئی باتیں بالواقع زید کے اندر پائی جاتی ہیں، تو وہ شریعت کی نظر میں فاسق ہے''۔ (رجسٹر ۱۱ ص ۱۰۴ فتویٰ ۹۳)۔

۷- قوتِ استنباط:

قرآن وحدیث سے مسائل کے استنباط واستخراج میں آپ کو زبردست مہارت حاصل تھی، جو آپ کی فقہی بصیرت کی واضح دلیل ہے، نصوص شرعیہ سے غیر منصوص احکام کا استنباط بآسانی کرتے تھے۔ آپ کے بیشتر فتاویٰ اس پر شاہد عدل ہیں۔

۸- اطمینان بخش جواب:

آپ کے فتاویٰ کی اہم ترین خصوصیات میں سے ہے کہ آپ دلائل سے مزین نہایت دوٹوک انداز میں استفتا کا جواب دیتے تھے، جس سے مستفتی کو تشفی ہوجاتی اور قلبی اطمینان حاصل ہوجاتا۔

۹- اختصار وایجاز:

علامہ محمد رئیس ندوی رحمہ اللہ کی عام تحریروں میں اطناب وطولانی کی آمیزش صاف جھلکتی ہے، آپ اپنے مقصود کو مختلف پیرائے میں بیان کرتے ہوئے دلائل کا انبار لگا دیتے ہیں، تاکہ قاری کے دماغ میں آپ کی بات پوری طرح ذہن نشین ہوجائے، لیکن فتویٰ میں آپ کا اسلوب

عام تحریروں سے بالکل مختلف ہوتا تھا، آپ انتہائی مختصر اور جامع فتویٰ دیتے تھے، یہاں تک کہ بعض اوقات آپ نص شرعی کو نہ ذکر کے صرف اس کا مدلول ذکر فرماتے تھے، جیسا کہ اکثر مفتیانِ کرام یہ اسلوب اختیار کرتے ہیں۔

مسئلہ قرأت بعد الفاتحہ سے متعلق ایک استفتا کے جواب میں لکھتے ہیں:

''یہ فتویٰ ساری تفاصیل اور جزئیات کا محتمل نہیں ہوسکتا، لہٰذا فی الوقت مختصر سے جواب پر اکتفا کیا جا رہا ہے''۔ (ماہنامہ محدث، مئی ۱۹۹۲ء ص ۴۳)۔

ایک دوسری جگہ رقم طراز ہیں:

''مذکورہ بالا معنی ومفہوم کی بہت ساری احادیث نبویہ موجود ہیں، مگر اختصار کے پیشِ نظر صرف اسی حدیث کی نقل پر اکتفا کرتے ہیں اور عمل کے لیے ایک حدیث کافی ہے''۔ (رجسٹر ۱۱ ص ۹۶ فتویٰ ۸۶)۔

۱۰- اختلافی مسائل میں ترجیح:

آپ رحمہ اللہ اپنے فتاویٰ میں عموماً قول راجح مع دلیل ذکر کرنے کا اہتمام کرتے ہیں، لیکن بعض دفعہ صورت مسئولہ میں پائے جانے والے ائمہ کے اختلاف کو ذکر کرنے کے بعد کسی ایک کو راجح قرار دیتے ہیں، نیز وجہ ترجیح کی بھی نشاندہی کرتے ہیں۔

تیرہ ذی الحجہ کی قربانی کے بارے میں ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

''احناف کے نزدیک قربانی کے ایام تین دن ہیں اور امام شافعی کے نزدیک قربانی کے اوقات چار دن ہیں، یوم النحر اور ایام تشریق یعنی دس ذی الحجہ اور تین دن اس کے بعد، تیرہ ذی الحجہ کی شام تک، امام شافعی کا مسلک راجح ہے، اس لیے کہ احادیث سے ثابت ہے، اگر چہ ان کی سندوں پر کلام ہے، مگر بعض صحیح ہیں اور احناف کے پاس اس قسم کی کوئی بھی مرفوع روایت موجود نہیں ہے'' (رجسٹر ۱۱ ص ۷۰، فتویٰ ۵۹)۔

۱۱- الزامی جواب:

ندوی رحمہ اللہ اپنے بعض فتاویٰ میں مستفتی کو صحیح شرعی دلائل کی روشنی میں جواب دینے کے ساتھ اسے مزید مطمئن کرنے کے لیے الزامی جواب بھی دیتے تھے، چنانچہ مغرب کی اذان اور اقامت کے درمیان دو رکعت نفل کے بارے میں ایک سوال کے جواب میں اثبات کی متعدد دلیلیں ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

''احناف عشا سے پہلے چار رکعت سنت پڑھتے ہیں اور اس کا التزام کرتے ہیں، حالانکہ یہ حدیث سے ثابت نہیں ہے اور مغرب سے پہلے دو رکعت جو احادیث صحیحہ سے ثابت ہے، اس کا انکار کرتے ہیں، فالعجب ثم العجب'' (رجسٹر ۱۱ ص ۷۰ فتویٰ ۵۹)۔

۱۲- فقہ حنفی کا حوالہ:

علامہ ندوی رحمہ اللہ استفتا کے جواب میں بعض دفعہ کتاب وسنت اور اقوال سلف کی روشنی میں استفتاء کا جواب دینے کے ساتھ مستفتی کی بعض فقہی کتابوں اور ان میں مذکور فتاویٰ کا بھی حوالہ دیتے تھے تاکہ اسے اطمینان حاصل ہوجائے اور آپ کا جواب قبول کرنے میں کوئی تردد نہ ہو۔

چنانچہ ایک استفتا کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

''فقہ حنفی کی کتاب 'جامع الفتاویٰ' نیز 'تحفۃ الصلحاء'

میں بھی اس مسئلہ کے بارے میں مذکور بالا فتویٰ دیا گیا ہے"۔(رجسٹر ۱۱ ص ۶۲ فتویٰ ۵۳)۔

۱۳- تفصیل کے لیے بعض اہم کتب کی طرف احالہ:

علامہ ندوی رحمہ اللہ بعض اوقات اختصار کے ساتھ استفتا کا جواب دینے کے بعد مزید معلومات کے لیے کسی کتاب کا حوالہ بھی دیتے تھے، جیسا کہ طلاق سے متعلق ایک مسئلہ کا جواب دینے کے بعد فرماتے ہیں:

''اور مفصل بحث جامعہ سلفیہ بنارس کی طرف سے شائع شدہ کتاب "تنویر الآفاق فی مسئلة الطلاق" میں موجود ہے، اس کتاب کا مطالعہ کریں''۔

ایک اور فتویٰ میں لکھتے ہیں:

''اہلِ ذوق حضرت مولانا عبدالسلام بستوی شیخ الحدیث ریاض العلوم مرحوم کی 'کتاب الجمعہ' کا مطالعہ کریں تو کافی ہوگا''۔(رجسٹر ۱۱ ص ۱۱۱ فتویٰ ۹۷)۔

۱۴- بعض فتاویٰ پر استدراک:

استفتا میں اگر کسی عالم کے فتویٰ کا ذکر ہے اور آپ کی نظر میں وہ فتویٰ درست نہیں ہے تو آپ اس پر استدراک کرتے اور اس کے اندر موجود خامیوں کو اجاگر کرتے، پھر دلائل کی روشنی میں درست فتویٰ دیتے، جیسے عقیقہ میں اونٹ اور گائے کے جواز سے متعلق ایک فتویٰ پر استدراک کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''صحیفہ اہلِ حدیث سے جو فتویٰ نقل کیا گیا ہے ہم اس سے متفق نہیں ہیں یعنی عقیقہ میں اونٹ، گائے کا جواز ہمارے نزدیک محل نظر ہے، اس لیے کہ طبرانی سے حضرت انس کی جو روایت نقل کی جاتی ہے وہ انتہائی ضعیف ہے"(رجسٹر ۹ ص ۱۲ فتویٰ ۱۸)، پھر اس حدیث کے ضعف کو مفصل انداز میں بیان کرکے یہ ثابت کیا کہ گائے، بیل اور اونٹ وغیرہ کا عقیقہ ثابت نہیں ہے، بلکہ عقیقہ میں بکری اور مینڈھا ہی متعین ہے۔

۱۵- فتاویٰ کے ذریعہ مسلکِ اہل حدیث کی ترویج واشاعت:

علامہ محمد رئیس ندوی رحمہ اللہ کے اندر مسلکِ اہل حدیث اور سلفیت کے لیے بڑی حمیت وغیرت تھی، کیونکہ آپ ایک حنفی خانوادے میں پیدا ہوئے تھے، مسلک حنفیت پر آپ کی تعلیم وتربیت ہوئی تھی، لیکن فن حدیث سے بے پناہ محبت اور دلچسپی اور کتبِ احادیث کے مطالعہ نے آپ کے سامنے مسلک اہلِ حدیث کی حقانیت کو واضح کردیا، جسے آپ نے شرح صدر کے ساتھ قبول کرلیا، تقلیدی بندش سے آزاد ہوکر مسلک حقہ کی آغوش میں آگئے اور تمسک بالکتاب والسنہ کے پُرزور حامی اور داعی ومبلغ بن گئے، یہاں تک کہ آپ ہر وقت اس فراق میں ہوتے کہ کہاں موقع مل جائے اور حق بات بیان کردیں، حق بات کہنے میں آپ بڑے بے باک اور جری واقع ہوئے تھے، کسی ملامت گر کی ملامت کی قطعاً پرواہ نہیں کرتے تھے حتی کہ بعض اوقات جب آپ اپنے غیر مسلم معالج کے پاس جاتے تو موقع ملتے ہی اس کے سامنے بھی دینِ اسلام کی خوبیاں بیان کرنے لگتے اور اسے حق کی دعوت دیتے یا کسی بات پر تنبیہ کرتے، الغرض مسلک حق کی ترویج واشاعت کے ہر موقع کو آپ غنیمت جانتے تھے، آپ کے فتاویٰ کے مطالعہ سے بھی یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ بعض

اوقات آپ صرف استفتا کے جواب پر اکتفا نہیں کرتے تھے خاص طور سے جب مستفتی کسی خاص تقلیدی مکتبہ فکر سے تعلق رکھتا ہوتو اس موقع کو غنیمت جانتے ہوئے اس کے سامنے مسلکِ اہل حدیث کی حقانیت کو واضح کرتے، بلکہ مسلک اہل حدیث سے وابستہ ہونے کی دعوت بھی دے دیتے تھے۔

چنانچہ ایک استفتا کے جواب کے دوران فرماتے ہیں:

''فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے کہ اپنے مذہب حنفی کی بات مانیں یا قرآن وحدیث کی بات مانیں، اگر اس مسئلہ میں کتاب وسنت کی بات مانتے ہیں تو تمام مسائل میں کتاب وسنت کی باتیں مانتے ہوئے مسلکِ اہل حدیث سے وابستہ ہوجائیں''۔

نیز اس استفتا کے جواب سے قبل مستفتی کے ضمیر کو جھنجھوڑتے ہوئے اس سے سوال کرتے ہیں:

''استفتا میں کہا گیا ہے کہ اس کا جواب قرآن وسنت کی روشنی میں دیا جائے، یہاں سوال یہ ہے کہ بوقت ضرورت صرف اسی مسئلہ میں یا اس طرح کے کئی مسائل میں قرآن وسنت کی روشنی میں فتویٰ طلب کیا جاتا ہے، باقی مسائل میں اپنے تقلیدی یا مروجہ مسائل پر عمل جاری رہتا ہے، تو کیا یہ ''تؤمنون ببعض الکتاب وتکفرون ببعض'' کا معاملہ نہیں ہے؟''۔

۱۶- تردید میں بوقت ضرورت قدرے سختی:

مولانا موصوف حنفی مسلک کے مطابق تعلیم وتربیت پانے کی وجہ سے دیوبندیت اور حنفیت کی حقیقت سے بخوبی واقف تھے، گھر کے بھیدی تھے، اس لیے آپ بعض استفتاءات کے جواب میں مخالفین پر قدرے سخت لہجے میں نکیر کرتے تھے، مگر آپ کا یہ عام اسلوب نہ تھا، صرف بعض فتاویٰ ہی میں یہ اسلوب نظر آتا ہے، چنانچہ ایک استفتا کے جواب میں آپ رقم طراز ہیں:

''کیونکہ حدیث نبوی میں ایسے حلالہ کو حرام وزنا کاری کہا گیا ہے، مگر حنفی مذہب میں یہ سب کام جائز ہے اور ایسی عورت اپنے سابق شوہر کے لیے حلال ہوجائے گی، العیاذ باللہ'' (رجسٹر ۱۱ ص ۷۷ فتویٰ ۶۶)۔

ایک اور استفتا کے جواب میں رقم طراز ہیں:

''روزی روٹی کا دھندہ کے طور پر آج کل کے پیروں والی بیعت کا ثبوت ہم کو کتاب وسنت میں نہیں ملا، اگر کسی پیر صاحب کو اس کا ثبوت معلوم ہوتو ہم کو بھی مطلع کیا جائے، ہم شکر گزار رہوں گے'' (رجسٹر ۱۱ ص ۷۶ فتویٰ ۵۷)۔

وقت کی اہم ترین ضرورت:

جامعہ سلفیہ کے فتاوے عموماً اور خاص طور پر علامہ محمد رئیس ندوی رحمہ اللہ کے فتاوے بے حد اہم اور وقیع ہیں، انھیں زیورِ طبع سے آراستہ کرنا اور انٹرنیٹ اور سوشل میڈیا وغیرہ پر فراہم کرنا وقت کی اہم ترین ضرورت ہے، آج لوگ دلائل سے مزین صاف وشفاف فتاویٰ کی تلاش میں ہیں، لیکن جب اردو داں طبقہ انٹرنیٹ پر کوئی مسئلہ سرچ کرتا ہے، تو اسے اکثر ایسے فتاویٰ سے سامنا ہوتا ہے، جو غیر منہجی افراد یا تعصب کا لبادہ اوڑھے اہلِ علم کی جانب سے ہوتے ہیں، اردو میں غیر جانبدارانہ اور خالص کتاب وسنت کی روشنی میں صادر فتاویٰ کم ملتے ہیں، ایسے میں ضرورت ہے کہ

اس جانب خصوصی توجہ دی جائے اور اس فقہی ذخیرہ کو منظر عام پر لایا جائے، تاکہ سبھی لوگ اس سے مستفید ہوسکیں۔ اللہ اس کی طباعت کی راہ آسان فرمائے۔آمین۔

ایک قابلِ توجہ امر:

علامہ محمد رئیس ندوی رحمہ اللہ کے تحریر کردہ زیادہ تر فتاوے جامعہ سلفیہ کے ریکارڈ کے مطابق رجسٹر نمبر گیارہ میں درج ہیں، مگر اس رجسٹر کی حالت انتہائی خستہ ہے، کافی بوسیدہ ہوچکا ہے، ورق گردانی بے حد مشکل ہے، ہاتھ لگاتے ہی کاغذات ٹوٹنے لگتے ہیں، بیشتر صفحات ٹوٹ کر جلد سے الگ ہوچکے ہیں، بعض صفحات کے کچھ ٹکڑے غائب بھی ہوگئے ہیں، اگر فی الفوران فتاویٰ کو از سرنو تحریر کرنے کا اہتمام نہ کیا گیا، توعنقریب یہ صفحات اپنی افادیت کھوچکیں گے اور یاد ماضی بن کررہ جائیں گے۔

حرفِ اخیر:

جامعہ سلفیہ کے پرشکوہ علمی ماحول میں راقم الحروف کو علامہ محمد رئیس ندوی رحمہ اللہ سے ملاقات اور علمی استفادہ کا بارہا موقع ملا، مگر باقاعدہ درس نظامی میں آپ سے کسی کتاب کے پڑھنے کا شرف حاصل نہ ہوسکا، کیونکہ علالت ونقاہت کی وجہ سے علامہ رحمہ اللہ کے لیے اپنے تدریسی زمانے کے آخری سالوں میں گھر سے بار بار نیچے اترنا کافی دشوار تھا، اس لیے آپ صرف فضیلت سالِ آخر کے طلبہ کو اپنے کمرے میں جو دارالضیافہ کی دوسری منزل پر تھا بلا کر صحیح البخاری کا درس دیتے تھے۔یہ سلسلہ کچھ سالوں تک جاری رہا بالآخر سنہ ۱۹۹۸ء میں یہ سلسلہ بھی منقطع ہوگیا، جس کی وجہ سے درس نظامی کے طور پر مجھے آپ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرنے کا موقع نہ مل سکا، کیونکہ موصوف کا تدریسی سلسلہ بند ہونے کے بعد ۱۹۹۹ء میں مجھے جامعہ سلفیہ سے عالمیت کی ڈگری تفویض کی گئی، پھر جامعہ میں فضیلت کی تکمیل کا موقع نہ ملا، فضیلت سالِ اول میں ششماہی امتحان کے بعد شہر ممبئی میں جامعہ اسلامیہ، مدینہ منورہ کی جانب سے منعقدہ دورۂ تدریبیہ میں شرکت کے بعد بفضلہ تعالی جامعہ اسلامیہ، مدینہ طیبہ میں داخلہ ہوگیا۔

البتہ جامعہ سلفیہ میں چھ سالہ تعلیمی مدت کے دوران مجھے ممدوح رحمہ اللہ کی مختلف تقاریر، خطابات اور توجیہات سے استفادے کا خوب خوب موقع ملا، والحمد للہ علی ذلک، اللہ آپ کے مساعی جلیلہ کو شرفِ قبولیت بخشے اور جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔آمین۔

وصلى الله على نبينا محمد وعلى آله وصحبه اجمعين۔

☆☆☆

اخبار جامعہ

ڈاکٹر عبدالصبور ابوبکر
استاذ جامعہ سلفیہ بنارس

ابنائے قدیم جامعہ سلفیہ، جنوبی ہند کی سالانہ میٹنگ میں شیخ الجامعہ اور نائب شیخ الجامعہ کی شرکت:

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام علـى نبينا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين، أما بعد:

مورخہ 19 ستمبر 2024ء، بروز جمعرات جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس کے شیخ الجامعہ شیخ الشیوخ مولانا محمد مستقیم سلفی حفظہ اللہ اور نائب شیخ الجامعہ ڈاکٹر عبدالصبور ابو بکر (راقم الحروف) ابنائے قدیم جامعہ سلفیہ، جنوبی ہند، شاخ حیدر آباد کے زیر اہتمام منعقد تیسرے دعوتی واصلاحی اجلاس عام اور ابنائے قدیم کی سالانہ میٹنگ میں شرکت کے لیے شہر حیدر آباد کے لیے روانہ ہوئے، راجیو گاندھی انٹرنیشنل ایئر پورٹ پر ابنائے جامعہ کے لائق وفائق اور فعال ومتحرک رکن شیخ فہیم شریف سلفی اور عالم فاضل ڈاکٹر عبدالمعید نوشاد سلفی مدنی نے ہمارا پر جوش استقبال کیا، بفضلہ تعالی دورانِ سفر کسی دشواری کا سامنا نہیں ہوا، پیرانہ سالی اور ناسازیٔ طبع کے باوجود شیخ الجامعہ حفظہ اللہ بنارس سے حیدر آباد تک خوش وخرم اور ہشاش بشاش نظر آئے، ہم لوگ امتیاز احمد سلفی کے دولت کدہ پر اترے، انھوں نے حق ضیافت میں کوئی کمی نہ کی، ہر طرح کی سہولیات کا خیال رکھا، تھوڑی دیر بعد اس پروگرام میں شرکت کے لیے نامور عالم دین شیخ عبدالمعید سلفی مدنی (علی گڑھ) بھی شہر ممبئی سے تشریف لے آئے، رات میں دیر تک موصوف سے بات چیت ہوتی رہی، شیخ محترم سے میری یہ چوتھی ملاقات تھی، اس سے قبل جامعہ اسلامیہ ممبرا، ممبئی، دفتر مرکزی جمعیت اہل حدیث، دہلی اور مدینہ طیبہ، سعودی عرب میں مختصر ملاقاتیں ہوئی تھیں، آپ ہمہ جہت علمی شخصیت کے مالک ہیں، معلومات کا خزینہ ہیں، فرق ضالہ اور قدیم وجدید تحریکی فتنوں پر گہری نظر رکھتے ہیں، ان پر بے لاگ، بے باک اور مبنی بر حقیقت تبصرہ کرتے ہیں، بلکہ کسی پر بھی تبصرہ کرنے میں آپ کسی ملامت گر کی ملامت کی پرواہ نہیں کرتے ہیں، مسلسل دو دنوں تک آپ سے استفادہ اور مختلف موضوعات پر تبادلۂ خیال کا موقع ملا، بے حد خوشی ہوئی، اللہ آپ کو سلامت رکھے اور آپ کی مساعی جمیلہ کو شرف قبولیت بخشے، آمین۔

20 ستمبر، بروز جمعہ، صبح کے وقت ہم شہر حیدر آباد کے مشہور تاریخی مقامات، چار مینار اور مکہ مسجد کے مشاہدے کے لیے گئے، وہاں سے واپسی پر پہلے سے اعلان شدہ شیڈول کے مطابق خطبۂ جمعہ کے لیے فضیلۃ الشیخ مولانا محمد مستقیم سلفی مسجد عثمان ذوالنورین، تاڑ بن، فضیلۃ الشیخ

عبدالمعید مدنی مسجد ہاجرہ، معین باغ اور راقم الحروف مسجد سمیہ، کشن باغ کی طرف روانہ ہوئے، پھر شام کے وقت ہائی ٹیک سٹی کا دورہ کرنے کے بعد ہم ابوالکلام آزاد یونی ورسٹی، حیدرآباد کے پروفیسر ڈاکٹر اختر عالم سلفی کے دولت کدہ پر پُرتکلف عشائیہ سے لطف اندوز ہوئے۔

21 ستمبر، سنیچر کا دن کافی اہم تھا، بڑی مشغولیت کا دن تھا، صبح تقریباً دس بجے طے شدہ پروگرام کے تحت ہمارا قافلہ جس میں ڈاکٹر عبدالکریم علیگ بھی شامل تھے جامعۃ الفلاح ، شریف نگر، حیدرآباد پہنچا، اس جامعہ کے بانی ومؤسس جناب شریف محمد بن غالب یمانی حفظہ اللہ ہیں، جو ادارے کی تعمیر وترقی کے لیے ہمہ وقت مصروف رہتے ہیں، اللہ ان کی کاوشوں کو شرف قبولیت بخشے، یہاں طلبہ کو فضیلت تک کی معیاری تعلیم دی جاتی ہے، جامعۃ الفلاح کے موقر اور باصلاحیت اساتذہ میں جامعہ سلفیہ اور جامعہ اسلامیہ مدینہ کے فارغین کی ایک معتد بہ تعداد موجود ہے، اہلِ جامعہ نے ہمارا استقبال کیا، پھر مسجد میں مختصر پروگرام کا انعقاد ہوا جس میں تشریف فرما مہمانان نے مختلف موضوعات پر طلبہ کے سامنے عالمانہ اور ناصحانہ کلمات پیش کیے، راقم الحروف نے منہج سلف کی اہمیت وضرورت پر مختصر روشنی ڈالی اور یہ واضح کیا کہ نصوص شرعیہ میں انحراف اور بے جا تاویل سے بچنے کا واحد راستہ یہ ہے کہ انھیں سلف صالحین کے فہم کے مطابق سمجھا جائے، فضیلۃ الشیخ عبدالمعید سلفی مدنی حفظہ اللہ نے اپنے خطاب میں طلبہ کو تحریکیوں کے فتنوں سے خبردار کیا اور انھیں حقیقی علما بننے کی نصیحت کی، جو دلائل کی روشنی میں مسائل کا استنباط واستخراج کرتے ہیں اور ان نام نہاد دانشوروں سے دور رہنے کی تلقین کی جو نصوص شرعیہ کی بلا ضرورت اور من مانی تشریح کرتے ہیں، اس کے بعد فضیلۃ الشیخ مولانا محمد مستقیم سلفی حفظہ اللہ نے اپنے خطاب میں صحیح بخاری کے مقام واہمیت کو اجاگر کیا، بخاری کے پہلے باب: كيف كان بدء الوحي إلى رسول الله ... کی مختصر، جامع اور اثر انگیز تشریح کی اور صحیح بخاری پڑھانے والے اساتذہ کی مثالی طرز تدریس کی طرف رہنمائی کی، پروگرام کے اختتام پر جامعۃ الفلاح کے شیخ الجامعہ فضیلۃ الشیخ محمد شعیب عمری مدنی حفظہ اللہ نے آئے ہوئے مہمانوں کا شکریہ ادا کیا، جامعہ سلفیہ سے اپنی محبت ولگاؤ کا اظہار کیا اور فرمایا کہ جامعہ سلفیہ ہمارا مرکزی ادارہ اور تمام اہلِ حدیثوں کے دلوں کی دھڑکن ہے، ہر ایک کو اپنے اس مرکزی ادارے سے بڑی محبت ہے۔

پھر یہ قافلہ اپنے اگلے پڑاؤ جامعۃ المفلحات کی طرف بڑھا جو وہاں سے کچھ ہی فاصلے پر واقع جامعۃ الفلاح ہی کے تحت چلنے والا بنات کا ایک معروف ادارہ ہے، جہاں بچیوں کو فراغت تک کی اعلی اور معیاری تعلیم دی جاتی ہے، ایک ہزار سے زائد دختران اسلام اس ادارے میں زیر تعلیم ہیں، ادارے کے وسیع تہ خانے میں طالبات کے لیے ایک مختصر پروگرام میں سب سے پہلے فضیلۃ الشیخ مولانا محمد مستقیم سلفی حفظہ اللہ نے نہایت مختصر اور جامع نصیحت کی اور دلجمعی کے ساتھ تعلیم میں مشغول رہنے کی ترغیب دی، بعدہ فضیلۃ الشیخ عبدالمعید سلفی مدنی حفظہ اللہ نے انتہائی جامع اور پرمغز خطبہ دیا، طالبات کو قیمتی پند ونصائح سے نوازا، باپردہ رہنے پر کافی زور دیا، فتنوں کی اس ماحول میں محتاط اور چوکس رہنے

کی نصیحت کی، آخر میں راقم سطور نے اقوال سلف کی روشنی میں علم کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے طالبات کو اس بات کی ترغیب دی کہ وہ صحتِ حدیث کے ساتھ ساتھ حسن فہم اور فقہ الحدیث پر بھی خصوصی توجہ دیں، کیونکہ اس کے بغیر احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کما حقہ استفادہ ممکن نہیں، پروگرام کے اختتام پر مولانا محمد صابر سلفی نے کلمات تشکر پیش کیا۔

جامعۃ المفلحات کی زیارت کے بعد وفد نے وہاں کے اہم ادارے معہد علوم الحدیث کا دورہ کیا، جو جماعت اہلِ حدیث کا نہایت قدیم ادارہ ہے، شہر کی بھیڑ بھاڑ سے ہٹ کر ایک پرسکون جگہ 'وادی حدیث' میں واقع ہے، رقبہ کافی وسیع اور محل وقوع نہایت پرکشش ہے، لیکن یک گونہ خستہ حالی اور جماعتی بے توجہی کا شکار ہے، جماعت کے اس عظیم سرمائے کی حفاظت کرنا، اس میں خاطر خواہ اعلی تعلیم کا بندوبست کرنا اور وہاں سے حدیثی خدمات کو عام کرنا تمام غیور سلفیوں اور خاص طور پر سلفیان حیدرآباد کی اہم ذمے داری ہے، اللہ اس ادارے کو ترقیوں کے اعلی مقام پر گامزن فرمائے۔ وفد کے وہاں پہنچنے پر ذمے داران معہد نے قسم قسم کے پھلوں اور نوع بنوع شیرینیوں سے ان کی ضیافت کی، پھر ہم نے وہاں کی مسجد میں ظہر اور عصر کی نماز ادا کی، اس کے بعد شعبہ حفظ اور مکتب کے طلبہ کے لیے کچھ ناصحانہ کلمات پیش کیے گئے، آخر میں اہلِ معہد نے مومنٹو اور شال پیش کر کے مہمانوں کی تکریم کی، فجزاہم اللہ خیرا۔

یہاں سے فراغت کے بعد ہم فضیلۃ الشیخ شریف محمد بن غالب یمانی حفظہ اللہ کے دولت کدہ پر پہنچے جہاں نہایت پرتکلف ظہرانے کا اہتمام کیا گیا تھا، اس کے بعد ڈاکٹر عبدالمعید مدنی حفظہ اللہ کے گھر پر تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد ہم آج کے سب سے اہم پروگرام کے لیے روانہ ہوئے، جب ہم مسجد عثمان ذی النورین جہاں اجلاس عام کے لیے مکمل تیاری کی گئی تھی، پہنچے تو مغرب کی نماز ختم ہو چکی تھی، جماعت ثانیہ سے ہم نے مغرب کی نماز ادا کی، پھر اجلاس عام شروع ہوا، اجلاس عام کے سب سے پہلے خطیب فضیلۃ الشیخ مولانا محمد مستقیم سلفی حفظہ اللہ تھے، انہوں نے قرآن وحدیث کی روشنی میں پچھلی قوموں کی ہلاکت وبربادی کے اسباب اور ان سے ماخوذ دروس وعبر پر نہایت پرمغز خطاب فرمایا، پھر فضیلۃ الشیخ عبدالمعید مدنی حفظہ اللہ فکری انحراف کے اسباب وعلاج کے موضوع پر نہایت جامع اور مؤثر تقریر کی، آخر میں راقم السطور کو دعوت اسٹیج دی گئی، موضوع سخن تھا: "انکار حدیث کی جدید شکلیں"، موضوع کی طوالت اور وقت کی تنگ دامانی کے باوجود چند باتیں اختصار کے ساتھ پیش کی گئیں اور سامعین کو انکار حدیث کے فتنے سے آگاہ کیا گیا، اجلاس عام میں نظامت کا فریضہ مولانا محمد صابر سلفی استاد جامعۃ المفلحات نے بحسن وخوبی انجام دیا، آخر میں ڈاکٹر عبدالمعید نوشاد سلفی مدنی کے کلماتِ تشکر پر مجلس کے اختتام کا اعلان کیا گیا۔

عشائیہ کے بعد مسجد کے بالا خانہ میں ابنائے جامعہ سلفیہ کی سالانہ میٹنگ کا آغاز ہوا، ابناء نے بڑے جوش وخروش کا مظاہرہ کیا، حیدرآباد کے علاوہ دور دراز سے بھی فارغین جامعہ تشریف لائے تھے، تلاوت کلام پاک کے بعد

خازن جمعیت نے حاضرین کے سامنے کمیٹی کی سالانہ آمدنی اوراخراجات اور کمیٹی کے ذریعے انجام پذیر اعمال کی تفصیلات پیش کی، مستقبل کے عزائم کو دہرایا، جامعہ کے لیے ہر ممکن تعاون کا وعدہ کیا گیا، پھر اقتراحات اور تجاویز کا سلسلہ شروع ہوا، ایک تجویز یہ آئی کہ شہر حیدرآباد یا اس کے مضافات میں موجود اداروں میں سے کسی کو جامعہ سلفیہ کی شاخ کا درجہ دیا جائے، تاکہ اہل جنوب سے جامعہ کے رابطے میں اضافہ اور قوت پیدا ہو۔

میٹنگ میں ہمارے دیرینہ ساتھی، ڈاکٹر سید حسین مدنی بھی شریک تھے، ان سے مل کر بے حد خوشی ہوئی، انھوں نے یہ تجویز رکھی کہ آئندہ یہ پروگرام (اجلاس عام) اتوار یا کسی چھٹی والے دن میں، صبح کے وقت رکھا جائے تاکہ ہر خطیب سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کا موقع ملے، نیز اس کے لیے پہلے سے تیاری کر کے اسے مزید بہتر اور مفید بنایا جائے، شرکائے مجلس نے شیخ کی تجویز کو سراہا اور آئندہ اس پر عمل کرنے کا عزم کیا ہے۔ والحمدللہ۔

22 ستمبر بروز اتوار کا ہمارے پاس پہلے سے کوئی طے شدہ پروگرام نہ تھا، مگر تقریبا آٹھ بجے صبح ناشتہ کے وقت فضیلۃ الشیخ سید حسین مدنی صاحب ہماری رہائش گاہ پر تشریف لائے اور شہر حیدرآباد کے تاریخی مقامات کا سیر کرانے کے لیے ہمیں اپنے ساتھ لے کر نکل پڑے، عزیز گرامی نے نہایت ہی خوش اخلاقی اور خندہ پیشانی کا مظاہرہ کیا، کئی گھنٹوں تک ہم لوگ اس قدیم اور خوبصورت شہر کی گلیوں اور سڑکوں پر گھومتے رہے، ہم حیدرآباد کے عظیم علمی مرکز دائرۃ المعارف العثمانیہ کے قریب سے گزرے، اتوار کی وجہ سے بند تھا، اندر جانے کا موقع نہیں ملا، باہر ہی سے دیکھ کر اس کی بیش بہا خدمات کو یاد کرنے لگے، دائرۃ المعارف نے علم حدیث کے فروغ میں بیش بہا خدمات پیش کی ہیں، بحث وتحقیق کے میدان میں کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں، اس کے قریب پہنچ کر علامہ عبدالرحمٰن بن یحیی معلّمی یمانی اور ان کی عظیم کاوشوں کی یاد تازہ ہوگئی، اسی کی لائبریری میں رہ کر شیخ معلّمی رحمہ اللہ نے امام بخاری کی کتاب "التاریخ الکبیر"، ابن ابی حاتم رازی کی کتاب "الجرح والتعدل"، وکتاب "بیان خطأ البخاری فی تاریخہ"، ابن ماکولا کی کتاب "الاکمال"، امام ذہبی کی کتاب "تذکرہ الحفاظ"، سمعانی کی کتاب "الانساب" اور حمزہ سہمی کی کتاب "تاریخ جرجان"، جیسی اہم اور نادر کتابوں کی تحقیق کی تھی۔

آج پہلی بار حیدرآباد کی قدیم آبادیوں کو نہایت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا، شیعوں اور روافض کے علاقوں سے گزر ہوا، اسلامی طرز کی قدیم عمارتوں کا مشاہدہ ہوا، خوشنما اور عظیم جھیل، ساگر کے پر کیف مناظر سے لطف اندوز ہونے کا موقع ملا، ان خوشنما مناظر اور دیدہ زیب علاقوں کو دیکھ کر فضیلۃ الشیخ محمد مستقیم سلفی حفظہ اللہ کافی محظوظ ہوئے اور بے ساختہ کہنے لگے کہ یہ سب دیکھ کر اور اپنے بچوں سے مل کر میری طبیعت بحال ہوگئی، گرامی قدر جناب سید حسین مدنی، ڈاکٹر عبدالمعید مدنی، شیخ فہیم شریف سلفی اور حامد مدنی کے ساتھ مختلف جگہوں کو دیکھنے کے بعد مطعم العربیہ میں ہم نے ظہر وعصر کی نماز ادا کی اور فاخر ظہرانے کا لطف اٹھایا، پھر تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد موسلا دھار

بارش کے دوران ائیر پورٹ کی طرف روانہ ہوئے، خوشنما ایر پورٹ پر ضروری کارروائیاں مکمل کرانے کے بعد جہاز میں سوار ہوئے، ائیر پورٹ اور جہاز کے عملہ نے نہایت خوش اخلاقی کا مظاہرہ کیا، سن رسیدہ شیخ محترم کا خوب خیال رکھا، قطار میں کھڑے ہونے کی زحمت نہیں دی، پھر وقت مقرر پر بابت پور ہوائی اڈے پر ہمارا جہاز لینڈ ہوا اور تقریبا گیارہ بجے رات ہم جامعہ بخیر وعافیت پہنچ گئے، والحمد للہ علی ذلک۔

اس سفر کے بحسن وخوبی اختتام پر میں اللہ تعالی کا شکر ادا کرتا ہوں اور شکر گزار ہوں تمام ابنائے جامعہ سلفیہ، جنوبی ہند کا خصوصا جمعیت کے صدر شیخ صفی الرحمٰن سلفی مدنی، ناظم شیخ فہیم سلفی، خازن شیخ محمد حامد سلفی مدنی، جمعیت کے اہم اراکین: ڈاکٹر عبد المعید نوشاد سلفی مدنی، شیخ مبشر احمد مؤمن سلفی مدنی، شیخ ابو الکلام عبد اللہ سلفی مدنی، ڈاکٹر طارق صفی الرحمٰن مدنی، شیخ امتیاز احمد سلفی، شیخ مجیب الرحمٰن سلفی، ڈاکٹر عبد الرحمٰن سلفی، شیخ اعجاز احمد سلفی، شیخ محمد صابر سلفی اور شیخ ممتاز شاہد سلفی حفظہم اللہ وغیرہم کا جنہوں نے اس سفر میں اپنی بے انتہا محبتوں کا اظہار کیا اور پروگرام کو کامیاب بنانے میں اہم کردار نبھایا، نیز میں شکریہ ادا کرتا ہوں فضیلۃ الشیخ سید حسین احمد مدنی حفظہ اللہ کا جنھوں نے ابنائے جامعہ سلفیہ کے اس پروگرام میں شرکت کے لیے وقت نکالا، شرکائے مجلس کو اپنے قیمتی مشوروں سے نوازا، جامعہ سلفیہ سے اپنی محبت ولگاؤ کا اظہار کیا اور شہر حیدر آباد کے اہم وتاریخی مقامات کی ہمیں زیارت کرائی، فجزاہم اللہ خیرا۔

فارغین جامعہ سے مل کر اوران کی سرگرمیوں اور مادر علمی سے محبت کو دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی، اللہ ان کے علم وعمل میں برکت عطا فرمائے اور خیر کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کی توفیق دے۔ آمین۔

☆☆☆

بغیر مال کے صدقہ

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کچھ لوگوں نے بارگاہ رسالت میں آکر عرض کیا: یارسول اللہ! مالدار لوگ ہی زیادہ اجر لے گئے، وہ نماز پڑھتے ہیں جیسے ہم پڑھتے ہیں، روزے رکھتے ہیں جیسے ہم رکھتے ہیں (اور ہم سے زائد کام یہ کرتے ہیں کہ) اپنے فاضل مالوں سے صدقہ وخیرات کرتے ہیں (اور یوں ہم سے زیادہ اجر حاصل کر لیتے ہیں) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا اللہ کے تمہارے لئے ایسی چیزیں نہیں بنائیں کہ تم ان کا صدقہ کرو؟ بے شک ہر 'سبحان اللہ' کہنا صدقہ ہے، ہر 'اللہ اکبر' کہنا صدقہ ہے، ہر 'الحمد للہ' کہنا صدقہ ہے، ہر 'لا الہ الا اللہ' کہنا صدقہ ہے، نیکی کا حکم دینا صدقہ ہے، برائی سے روکنا صدقہ ہے اور تمہاری شرمگاہ کی حفاظت بھی صدقہ ہے۔ انھوں نے سوال کیا: ہم میں سے ایک شخص (شرمگاہ کے ذریعہ سے) اپنی جنسی شہوت پوری کرے، کیا اس میں بھی اس کے لئے اجر ہے؟ آپ نے فرمایا: بھلا بتاؤ، اگر وہ اپنی شہوت حرام جگہ سے پوری کرے تو اسے گناہ ہوگا؟ (یقیناً ہوگا) پس اسی طرح وہ حلال طریقے سے اپنی شہوت پوری کرے گا تو اسے اجر ملے گا۔ (صحیح مسلم)

باب الفتاویٰ

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسئلہ میں کہ

اس ولیمے کا کھانا کیسا ہے جس پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو مثلاً ایک شخص کا ولیمہ ہے جب کھانا بن کر تیار ہوا تو اس میں سے کچھ کھانا نکال کر اس پر غیر اللہ کے نام کی فاتحہ وغیرہ کرنے کے بعد پھر اسے پورے کھانے میں ملا دیا گیا، تو اب اس ولیمے کی دعوت میں شریک ہونا کیسا ہے؟ رشتے دار بھی خاص ہیں، اگر نہیں جائیں گے تو رشتے میں بگاڑ پیدا ہو جائے گا، قطع تعلق ہو سکتی ہے۔

تو ایسے حالات میں کیا کیا جائے، کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ایسے ولیمے میں شریک ہو سکتے ہیں تاکہ رشتے میں برائی نہ ہو، لیکن صرف شریک ہوں گے کھانا نہیں کھائیں گے۔

قرآن وسنت کی رو سے مدلل ومحقق وضاحت فرما کر ممنون ومشکور ہوں۔

الجواب بعون اللہ الوھاب.

صورت مسئولہ میں واضح ہو کہ ہر وہ کھانا جس پر غیر اللہ کا نام لیا گیا وہ کھانا شرعاً ناجائز اور حرام ہے، اس کی حرمت پر قرآن مجید کی سورۂ بقرہ آیت: ۱۷۳، سورۂ مائدہ آیت: ۳، اور سورۂ انعام آیت: ۱۴۵/دال ہیں۔

ان آیتوں اور اس معنی ومفہوم کی دیگر نصوص صحیحہ سے واضح طور پر معلوم ہو گیا کہ وہ کھانا جس پر غیر اللہ کے لئے نذر ونیاز اور فاتحہ کیا گیا ہو وہ کھانا حرام ہے، ایسے کھانوں میں شرکت کی سختی کے ساتھ ممانعت کی گئی ہے۔

قرآن وسنت کی تعلیمات سے ایسا کوئی عمل شریعت اسلامی میں جائز نہیں جو قرآن وحدیث اور سنت رسول ﷺ سے متصادم ہو اور اس طرح کے عمل کا شریعت مطہرہ میں دور دور تک کوئی ثبوت نہیں۔

اور جہاں تک ایسی دعوت میں شرکت کی بات ہے تو اس سلسلہ میں واضح ہو کہ قرآن مجید سورۂ نساء میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ أَنْ إِذَا سَمِعْتُمْ آيَاتِ اللَّهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَأُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوا مَعَهُمْ حَتَّى يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ إِنَّكُمْ إِذًا مِّثْلُهُمْ (نساء: ۱۴۰) ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ تمہارے پاس اپنی کتاب میں یہ حکم نازل کر چکا ہے کہ تم جب کسی مجلس والوں کو اللہ رب العالمین کی آیات کے ساتھ کفر کرتے اور مذاق اڑاتے ہوئے سنو تو اس مجمع میں ان کے ساتھ نہ بیٹھو جب تک کہ وہ اس کے علاوہ اور باتیں نہ کرنے لگیں، ورنہ اس وقت تم بھی انہیں جیسے ہو۔

اسی طرح آپ ﷺ کی ایک حدیث میں ہے: ''جو آدمی اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ ایسے دسترخوان

پر ہرگز نہ بیٹھے جہاں شراب پیش کی جا رہی ہے۔(حسن: ترمذی:۲۸۰۱)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس دسترخوان پر شریعت کے خلاف کوئی چیز ہوتو وہاں شرکت کرنا درست نہیں۔

رشتہ داروں کے ساتھ تعلقات استوار رکھیں، صلہ رحمی کا معاملہ اپنائیں، رشتہ داروں کی خوشی اور غمی میں بھی شریک رہیں۔ یہ تمام کام بہت اچھے ہیں، لیکن شریعت کے دائرہ میں رہ کرانجام دیئے جائیں۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہوئے مخلوق کی رضامندی درست نہیں۔ حدیث رسول میں ہے: لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق" (سنن نسائی: ۴۲۰) خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی طاعت نہیں ہے۔

هذا ما عندی والله اعلم بالصواب

ابوعفان نورالہدیٰ عین الحق سلفی

☆☆☆

جتنی بڑی آزمائش اتنا بڑا اجر

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو اس کے گناہوں کی سزا جلد ہی دنیا میں دے دیتا ہے (یعنی تکلیفوں اور آزمائشوں کے ذریعہ سے اس کے گناہوں کی معافی کا سامان پیدا کر دیتا ہے)

اور جب اپنے بندے کے ساتھ برائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے اس کے گناہوں کی سزا (دنیا میں) روک لیتا ہے، یہاں تک کہ قیامت والے دن اس کو پوری سزا دے گا۔ نبی کریم ﷺ نے مزید فرمایا: بدلے میں بڑائی (اضافہ، زیادتی) آزمائش میں بڑائی کے ساتھ ہے (یعنی آزمائش جتنی عظیم ہوگی اس کا بدلہ بھی اسی حساب سے عظیم ہوگا) اور اللہ تعالیٰ جب کسی قوم کو پسند فرماتا ہے تو ان کو آزمائش سے دوچار فرما دیتا ہے، پس جو اس میں صبر و رضا کا مظاہرہ کرتا ہے اس کے لئے اللہ کی رضا ہے اور جو اس کی وجہ سے اللہ سے ناراضی اور برہمی کا اظہار کرتا ہے اس کے لئے اللہ کی ناراضی ہے۔

(رواہ الترمذی وقال حدیث حسن)

PRINTED BOOK

ISSN 2394-0212

September & October 2024

Vol.XL1 No.9-10

R.No. 40352/81

MOHADDIS

THE ISLAMIC CULTURAL & LITERARY MONTHLY MAGAZINE

Website: www.mohaddis.org

Published by: Obaidullah Nasir, on behalf of Darut-Taleef Wat-Tarjama

B.18/1-G, Reori Talab, Varanasi, Edited by: Mohammad Ayoob Salafi

Printed at Salafia Press, Varanasi.